ارشاداتِ ضیاء الامّت

محمد اکرم ساجد

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

انتساب

پیکرِ حسن و جمال

مصدرِ جود و نوال

منبعِ فضل و کمال

مرکزِ عشق و محبت

سیّدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے نام جو بلاشک و شبہ باعثِ تخلیقِ کائنات و رونقِ بزمِ عالم ہیں۔

تکمیل آرزو

عرصہ سے خواہش تھی کہ مفکر اسلام، مفسر قرآن، غوث زماں، مجدد دوراں، عالی جناب ضیاء الامت جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز کے ارشادات مبارکہ یکجا کیے جائیں۔ سواپنے رحیم و کریم پروردگار کی توفیق سے ناچیز نے یہ حقیری کوشش کی ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین پسند فرمائیں گے اور راقم الحروف کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا وجود مسعود اس میدان میں غنیمت ہے۔ با مقصد اور جاندار لٹریچر کی خوبصورت اشاعت میں اس مرد درویش نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں، وہ قابل رشک ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس نورانی چاند کو تادیر تاباں رکھے۔ آمین

خاکپائے حضرت ضیاء الامت

محمد اکرم ساجد

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ

بھیرہ شریف

ارمغانِ عقیدت

﴿ پروفیسر علامہ محمد یوسف فاروقی الازہری، پرنسپل انسٹیٹیوٹ آف ہائر اسلامک سٹڈیز کھڑی شریف ضلع میرپور ﴾

سمندر کی بیکراں وسعتوں میں کسی چٹان پر ایستادہ یکہ و تنہا لائٹ ہاؤس اگرچہ گھٹاٹوپ سیاہ راتوں کی تاریکی کو ختم نہیں کر سکتا مگر اس کی ٹمٹماتی ہلکی روشنی کئی گم کردہ راہوں کو منزل آشنا کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح کسی مقبول بارگاہِ ایزدی کے ملفوظات و ارشادات اس کارگہ حیات کی تمام مشکلات کو اگرچہ حل نہیں کر سکتے مگر ہزاروں گم گشتگان منزل ان کے ارشادات و فرامین کی نورانیت میں نہ صرف منزل آشنا ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ چشمۂ فیض دور و نزدیک کے ان باسیوں کو بھی محروم نہیں رکھتا جو کسی وجہ سے براہِ راست ان کی زندگی میں بہرہ مند نہیں ہو سکے تھے۔

علم و عمل کا حسین امتزاج، اسلام و اہلِ اسلام کیلئے دل درد مند رکھنے والی عظیم شخصیت، شریعت و طریقت کا مجمع البحرین، جن کے خوان کرم سے اپنے بیگانے فیض یاب ہوئے، جن کے تقویٰ اور للّٰہیت کو ہر ذی علم و فراست نے خراجِ عقیدت و محبت پیش کیا۔ وہ ذات ستودہ صفات زیبِ ملت ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ کی ظاہری زندگی نے جہاں اک جہاں کو متاثر کیا اور ان کے قلوب و اذہان پر انمٹ نقوش چھوڑے وہاں آپ کے ارشادات و فرامین جو نصف صدی سے زائد کو محیط میں ہزاروں لاکھوں کی تیرہ و تار زندگیوں کیلئے وجہ تنویر بنے۔ آپ مسندِ ارشاد پر فائز ایک شیخ طریقت تھے۔ اور جستجویان حق کیلئے ایک رہبر کامل بھی۔ آپ کی پوری زندگی تحریر و تقریر سے عبارت تھی۔ آپ زاہد شب زندہ دار بھی تھے اور سیف قلم کے دھنی بھی، مفسر، سیرت نگار، صحافی، واعظ، رہبر غرضیکہ اللہ کریم نے بے پناہ خوبیوں اور صفات کو ایک جسدِ مبارک میں جمع کر دیا تھا اور سب سے بڑھ کر آپ سنتِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل پیرا ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔

آپ کی حیاتِ مبارکہ کا اکثر حصہ تعلیم و تعلم میں گزرا۔ اس لحاظ سے آپ کو جو خاص ذوق علم و عمل سے تھا وہ محتاجِ بیاں نہیں۔ ان ملفوظات میں محض اخبار نہیں پیام عمل ہے۔ "قُم فاقم فاستقم" کا گجر ہے، سلوک و معرفت کی طرف رہنمائی ہے، شریعت و حقیقت کا سراغ ہے اور اس طرح یہ مجموعہ ہر صاحبِ عمل کیلئے ایک مینارۂ نور اور تنویر راہ ہے۔

یہ ملفوظات و تحریرات دُرِ نثرہ کی صورت میں تھے اور ضرورت تھی کہ انہیں سلکِ جمعیت میں پرو لیا جاتا۔ قابلِ تحسین ہے عزیز مکرم حافظ محمد اکرم ساجد کی یہ کاوش کہ انہوں نے یہ عظیم کام انجام دے کر خود کو بھی زندۂ جاوید کر لیا ہے۔ جس خلوص و محبت سے انہوں نے یہ کام انجام دیا ہے اللہ کریم اسے اپنی بارگاہِ کرم میں شرفِ قبولیت سے نوازے اور حضور ضیاء الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا کے متوسلین، مریدین، شاگردوں اور آپ سے فیض یاب ہر فرد کیلئے سرمۂ بصیرت بنائے۔ آمین

اللہ کریم آپ کے درجات بلند فرمائے اور جمع کنندہ کو بیش از بیش توفیق عمل سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین

تسبیح خداوندی

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ اس کیلئے ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے، جس میں کسی نقص یا عیب کا شائبہ ہو یا اس کی صفاتِ کمال کے منافی ہو۔ نیز اس کا ذکر ناپاک حالات میں نہ کیا جائے۔ ایسی محفل جہاں ملحد قسم کے لوگ ہوں، وہاں اس انداز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے کہ وہ مضحکہ اڑانے لگیں۔ اس شخص کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے جو اس کو ادب و شوق سے سننے کیلئے تیار نہ ہو۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۵۲۱)

اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہے، حکیم بھی

اس کی قدرت مطلقہ کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز کو جس شکل و صورت، جس قد و قامت اور جن مقاصد کی انجام دہی کیلئے پیدا فرمایا، اس میں آج تک کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوگا۔ "اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ" کے جلوے ہر چھوٹی بڑی چیز میں نظر آرہے ہیں، لیکن یہ قوت، یہ بیکراں قدرت اندھی نہیں کہ ترنگ میں آئی تو بلاوجہ کسی چیز کو نیست و نابود کر دیا، پیس کر رکھ دیا۔ موج میں آئے تو بلا استحقاق عزت و سرفرازی بخش دی۔ نہیں، اللہ تعالیٰ عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی کام، اس کا کوئی حکم، اس کا کوئی فیصلہ حکمت کے بغیر نہیں اور اسی میں اس گلشن کائنات کی بقا اور پربہار ہونے کا راز مضمر ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ، قادر و توانا ہونے کے باوجود، رحمت و رافت کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ غلط کاروں کو فوراً انتقام کی چکی میں پیس نہیں دیتا بلکہ ان کے ساتھ بڑے تحمل اور حلم کا سلوک کرتا ہے، تمام عمر سرکشی اختیار کرنے والا جب بھی اس کے درِ رحمت پر آکر گر پڑتا ہے، تو وہ اس کو اپنے دامنِ رحمت میں ضرور جگہ دے دیتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۱۰۸)

تعلیمِ الٰہی

انسان کو جو کچھ سکھایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہی سکھایا ہے۔ سارے علوم و فنون، اسرار و معارف، انکشافات و ایجادات اس کے بے پایاں علم کی نہریں ہیں، جتنا چاہتا ہے، جس کو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ ابوالبشر آدم علیہ السلام کو علم الاسماء اسی نے تعلیم کیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سینوں کو رشد و ہدایت کے نور سے اسی نے منور کیا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۶۱۳)

خالق کی شان

خالق اپنی مخلوق کی التجاؤں کو سن رہا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرما رہا ہے۔ کسی کو تاجِ سلطانی بخشا جا رہا ہے۔ کسی کو نعمتِ علم عطا ہو رہی ہے۔ کسی کے سینہ میں چراغِ معرفت فروزاں کیا جا رہا ہے اور کسی کو اپنے درد کی نعمت بخشی جا رہی ہے۔ کوئی پیدا ہو رہا ہے، کوئی مر رہا ہے، کوئی بن رہا ہے، کوئی بگڑ رہا ہے۔ کہیں قحط کی چیرہ دستیاں ہیں اور کہیں ابرِ رحمت برس رہا ہے۔ کسی کو نوازا جا رہا ہے اور کسی کو اس کی پیہم ناشکر گزاریوں کے باعث اپنی نعمتوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ہر روز اس کی شان کا ظہور ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۴۳۔ ۷۴)

قدرتِ خداوندی

اے انسان تیری اصل مٹی ہے۔ دیکھ تیرے ربّ نے اس مشتِ خاک کو کتنا حسین پیکر بخشا ہے اور اس میں بے شمار قوتیں پیدا کر دی ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتے ہیں، زبان کا لوتھڑا بولتا ہے، دل تمام جسم میں خون پہنچاتا ہے۔ تیرے کاسۂ سر میں کیسے خود کار آلات نصب کر دیئے ہیں۔ تیرے شکم میں نظامِ ہضم کو کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ یہی حال جِنّات کا ہے۔ ان کو بھی خصوصی اور بے پایاں قوتیں بخشی گئی ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۷۱)

نفع و ضرر کا کلّی اور حقیقی اختیار اللہ جل مجدہ و عز سلطانہٗ کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ جس کو چاہے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے انعامات و احسانات سے مالا مال کر دے۔ اس کے غضب سے کوئی چھڑا نہیں سکتا اور اس کے دستِ جود و سخا اور فضل و عطا کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر اس نے یتیمِ مکہ کو ختمِ نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا ہے تو کسی کو کیا اعتراض۔ اگر اس نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا ہے تو کسی کے پیٹ میں بل کیوں پڑے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۴۷۲)

قیامت کے دن فیصلۂ خداوندی

عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جو فیصلہ کیا جائے، گواہوں کی گواہی اور دیگر دلائل کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ اگر فیصلہ کرتے وقت گواہوں کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے، کسی ثبوت کی ضرورت بھی محسوس نہ کی جائے تو وہ فیصلہ اگر عین حق ہو تب بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ فیصلہ کرتے وقت صحیح طریقۂ کار اختیار نہیں کیا گیا لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قاضی پوری احتیاط سے ساری کارروائی مکمل کرتا ہے، گواہ پیش ہوتے ہیں، دوسرے دستاویزی ثبوت فراہم کیے جاتے ہیں۔ پھر قاضی اپنے فیصلے کا اعلان کرتا ہے۔ اس پر دوسرا تو کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا لیکن جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوتا ہے وہ سراپا احتجاج بن کر گواہوں کو جھوٹا اور دستاویزوں کو جعلی قرار دے دیتا ہے۔ اگرچہ ایسے آدمی کا شور و غل قطعاً کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بہر حال اس کے دل میں تو ایک قسم کی موہوم سی خلش باقی رہ جاتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائے گا، وہ اتنا قطعی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہوگا کہ خود وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا ہوگا وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بالکل درست اور سراسر حق ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۱۸۷)

معرفتِ خداوندی

میرے خیال میں زمین کو جو آراستگی اور زیبائش آج نصیب ہے شاید ہی کبھی نصیب ہوئی ہو۔ عمارتیں ہیں جو اپنی بلندی میں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ ان کے برقی طاقتور قمقمے اپنی چمک دمک میں ستاروں کو شرما رہے ہیں۔ دریاؤں کے سرکش پانیوں کو ڈیموں میں بند کر دیا گیا ہے۔ بنجر زمینیں سونا اُگل رہی ہیں۔ چٹیل میدانوں میں سرسبز و شاداب کھیت لہلہا رہے ہیں۔ صحرا رشکِ اِرم بنتے جا رہے ہیں۔ بازاروں میں دنیا بھر کی عجیب و غریب مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ انسان کے علم کی حدیں پھیلتیں جا رہی ہیں۔ اس کی جستجو اور تجسس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائیاں پایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ فضا کی وسعتیں سکڑ گئی ہیں۔ کاش! انسان تسخیرِ کائنات کے خواب دیکھنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی سمجھ لے کہ اس عالمِ رنگ و بو کا ایک خالق و مالک بھی ہے، جس نے اس جہان کو ساری رعنائیاں بخشی ہیں۔ جس نے خود انسان کو بھی پیدا فرمایا ہے اور اس کو عقل و فکر اور قلب و نظر کی دولت سے مالا مال کیا ہے، جن کے بل بوتے پر انسان نے اتنی ترقی کی ہے۔ اس کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کریم خالق کو پہچانے اور اس کے احکام بجالائے۔ اور اس کے ارشادات کی صدقِ دل سے اطاعت کرے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۲۹۲)

خوفِ خدا

دل میں خوفِ خدا پیدا ہو گیا تو انسان کا ظاہر و باطن سنور گیا اور اگر دل خوفِ خدا سے ہی آشنا نہیں تو پھر زبان سے پارسائی کے ہزاروں دعوے کیے جائیں، نفس اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۴۰۱)

خرد نے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

محبتِ الٰہی

محبت کہتے ہیں اس کشش اور میلان کو جو دل میں کسی باکمال ہستی کی طرف پیدا ہوتا ہے۔ خواہ وہ کمال جمالِ معنوی ہو یا صوری، حسنِ ظاہری ہو یا حسنِ سیرت وشمائل اور یہ جذبہ اسے اس ہستی کے قریب تر ہونے کیلئے بے تاب رکھتا ہے۔

بندہ جب یہ سمجھ لیتا ہے کہ گلستان حسن و خوبی کی ہر پتی اور ہر کلی پر اس ذاتِ احدیت کا جمال جلوہ طراز ہے اور آنکھ جو کمال کہیں اور کسی شکل میں دیکھتی ہے اس کا سرچشمہ وہی ذات صمدیت ہے، تو اس کے عشق و محبت اور اجلال واحترام کی محرابوں کے مصنوعی صنم پاش پاش ہو جاتے ہیں اور اس کے ان تمام جذبات کا مرکز صرف ایک وہی ذات رہ جاتی ہے۔ اس کا یہ جذبہ کیونکہ ایجابی ہوتا ہے اس لئے اپنے محبوبِ حقیقی کی عبادت اور اطاعت میں عملی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جذب نہاں کی اسی نمود اور ظہور کو "محبة العبد لله" (بندے کی اللہ سے محبت) کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر خلوصِ نیت اور عزم صادق کی زادِ لے کر وہ راہِ عشق پر چل نکلے تو بارگاہِ ربوبیت سے جلد ہی "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی) کی نوید جانفزا اسامع نواز ہوتی ہے۔ اسی سرفرازی اور پذیرائی کو اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت کہا جاتا ہے۔ (سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام، ص ۳۲۹)

شانِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روشنی اور ہدایت کا وہ بلند مینار ہے جس کی تابندہ شعاعوں سے عالمِ انسانیت کے نشیب و فراز جگمگا رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ ایسی کتاب کی تلاوت فرماتا ہے جو ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ دوسری مذہبی کتابوں کی طرح اس میں شرفِ انسانیت سے گری ہوئی کوئی بات نہیں۔ عقلِ سلیم کا منہ چڑانے والی کوئی حکایت نہیں۔ اخلاق باختگی کی طرف بلانے والی کوئی دعوت نہیں۔ ہر عیب سے وہ پاک ہے، ہر نقص سے وہ منزّہ ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۲۲۶)

رسالتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا اجمل الصلوٰۃ و اطیب السلام کی شان کا پتا اس وقت چلتا ہے جب انسان اس معاشرے پر نظر ڈالتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوا۔ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں بھٹک رہے تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیضِ نظر سے ریگزارِ عرب کے حقیر ذرّے آفتاب و مہتاب بن کر چمکنے لگے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۲۳۱)

علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

اُمّے بُود کہ ما از اثرِ حکمت او
واقف از سرِ نہان خانۂ تقدیر شُدیم

اگرچہ روح کا تعلق جسم کے ہر عضو کے ساتھ ہے لیکن خدانخواستہ اگر کسی کا ہاتھ کٹ جائے تو وہ مر نہیں جاتا۔ اگر کسی کی ٹانگ حادثہ کی شکار ہو جائے تو وہ پھر بھی زندہ رہتا ہے۔ اگر کسی کی آنکھ کا نور ضائع ہو جائے تو اس کی زندگی کی شمع پھر بھی ٹمٹماتی رہتی ہے لیکن اگر دل کی حرکت بند ہو جائے تو انسان کی زندگی کا چراغ گُل ہو جاتا ہے۔ پتا چلا کہ روح کا تعلق اگرچہ جسم کے ہر حصہ کے ساتھ لیکن جو خصوصی تعلق دل کے ساتھ ہے وہ اور کسی عضو کے ساتھ نہیں۔ اسی طرح ذاتِ مصطفوی علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ہے، نہ وہ عرش کو نصیب ہے، نہ کرسی کو، نہ جبریل و میکائیل کو اور نہ مہر و ماہ کو۔ اگر آمنہ کا لال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتا۔ یہ زمین نہ ہوتی، آسمان نہ ہوتے، لوح و قلم نہ ہوتے، حور و غلماں نہ ہوتے، کچھ نہ ہوتا جو محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتا۔ (دیارِ فرنگ میں ایک اہم تقریر، ص ۲۷)

عظمتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح پر اپنوں اور بیگانوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں، دُنیا کے کسی نبی، مُصلح، فاتح اور سلطان کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ بے شمار اعلیٰ پایہ کے لوگوں نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکرِ پاک کو بلند کرنے کیلئے جس طرح اپنی زندگیاں، اپنی علمی قوتیں، روحانی لطافتیں، اپنامال اور اپنے وسائل وَقف کیے ہیں، کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشّاق نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے، اس کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ لا دینیت کے اس دور میں بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تبلیغ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے احیاء کی کوششیں بڑے خلوص سے کی جارہی ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پاک لے کر، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر کرکے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محاسن سن کر کروڑوں دلوں کو جو سرور و فرحت نصیب ہوتی ہے، اس کا جواب نہیں۔ اپنے تو رہے ایک طرف، بیگانوں اور متعصب مخالفوں کو بھی بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص۲۰۰)

شانِ رحمۃ للعالمینی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رافت رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی بھی گمراہ نہ رہے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کیلئے بھی دعا فرمایا کرتے "اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" (الٰہی میری قوم کو ہدایت دے، وہ نادان ہیں)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سچے دل سے ایمان لانے والے جب اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بصد ادب و نیاز حاضر ہوتے ہیں اور اپنے عمر بھر کے گناہوں کی بخشش کیلئے دعا کی التجاء کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا جاتا ہے "لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا" یعنی اے ساری عمر اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والو! تم میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درِ کرم پر حاضر ہوگئے ہو اور اس نے تمہاری مغفرت کیلئے درخواست کی ہے۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کو تم توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا پاؤ گے۔

الٰہی! ہمیں ان بدبختوں میں سے نہ کر جو تیرے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں طلبِ استغفار کیلئے حاضر نہیں ہوتے بلکہ اس کو کفر و شرک کہنے پر مُصر ہیں۔ الٰہ العالمین! ہمیں ان خوش نصیبوں میں کر جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں۔ جو تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لئے باعثِ ہزار سعادت یقین کرتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص۲۵۳-۲۵۴)

فخرِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خانگی زندگی

فخرِ کائنات، باعثِ ایجادِ عالم، سُلطانِ دنیا و دیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خانگی زندگی صرف آرام و آسائش کے اسباب سے ہی خالی نہ تھی بلکہ ضروریاتِ زندگی بھی اکثر فراہم نہ ہوتی تھیں۔ مسلسل کئی کئی دِنوں تک چُولہے میں آگ نہ جلائی جاتی تھی اور کھجور وغیرہ پر بسر اوقات کی جاتی۔ اکثر جَو کی روٹی یا گندم کے اَن چھنے آٹے کی روٹی دستر خوان کی زِینت ہوتی۔ لباس کا معاملہ بھی خوراک سے مختلف نہ تھا۔ موٹا چھوٹا جیسا میسر آیا، خود بھی پہن لیا اور اُمہات المومنین کو بھی دے دیا۔ مسلمانوں کے مالی حالات جب تک ناساز گار رہے، اُمہات المومنین بڑے صبر و شکر سے یہ سب کچھ برداشت کرتی رہیں۔ کوئی مطالبہ نہیں، کوئی فرمائش نہیں۔ کسی چیز کے نہ ملنے کا کوئی شکوہ نہیں، شکایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات بننے کی سعادت پر زندگی کی ساری مسرتیں اور راحتیں انہوں نے قربان کردی تھیں۔ اگرچہ وہ سب کی سب امیر والدین کی بیٹیاں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نورِ نظر تھیں، جو مکہ کے خوشحال اور کامیاب تاجر تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لختِ جگر تھیں، جو اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ اسی طرح دیگر ازواجِ مطہرات کا بھی حال تھا۔ ماں باپ نے انہیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اس وقت وہاں کے معاشرہ میں جو آسودگیوں کا تصور کیا جا سکتا تھا، وہ سب انہیں میسر تھیں اور ان کی پہلی ازدواجی زندگی بھی امیرانہ بلکہ شاہانہ ماحول میں بسر ہوئی تھی۔ یکایک اس فرحت انگیز اور آرام بخش زندگی کو ترک کر کے اُمہات المومنین نے درویشانہ زندگی کو جس خوشی سے اپنایا اور جس خوبصورتی سے اُسے نبھایا وہ انہیں کا حصہ تھا۔ وہ اس فقر و درویشی پر ناز کرتیں اور ان ساری کلفتوں کو اپنے لئے دارَین کی سعادتوں کا باعث سمجھتیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۲۱)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ محبوبیت

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تادیب کا ذمہ خود اُٹھایا تاکہ اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کسی کا احسان نہ ہو بلکہ جو ہو وہ اسی حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خوانِ احسان و انعام کا ریزہ چین ہو۔ وہ خود ہی اس کا معلم، خود ہی مربی اور خود ہی اس کا مؤدب ہے۔ اس امر کے متعلق سورۃ والضحیٰ میں فرمایا "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یتیم پایا تو اپنے آغوشِ کرم میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پناہ دی۔ اب آپ خود غور فرمایئے جس کی تعلیم و تربیت علیم و حکیم خداوندِ کریم نے فرمائی ہوگی، اس کے علم و دانش کا اور اس کے مکارمِ اخلاق کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۲۲)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرفانِ خداوندی کا وسیلۂ عظمیٰ

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بے ہمتا کا ادراک انسان کے بس کا روگ نہیں۔ نہ اس کے ظاہری حواس میں یہ تاب ہے کہ اس کی حقیقت کو پہچان سکیں۔ عقلِ انسانی اپنی ترکتازیوں اور بلند پروازیوں کے باوجود اس کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ ان آیات بینات میں غور و فکر کیا جائے جہاں اس کی قدرت، عظمت، حکمت و کبریائی کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ان آیات میں جہاں پانی کا قطرہ، ریت کا ذرہ، درخت کا پتہ، زمین کی رنگین وسعتیں، آسمان کی ہوشربا رفعتیں، مہر و ماہ کی خیرہ کُن ضیا پاشیاں ہیں وہاں نبی کی ذات بھی ایک ایسا آئینہ ہوتی ہے جہاں دیدۂ بینا کو قدرتِ الٰہی کے ایسے جلوے نظر آتے ہیں جو اور کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ خصوصاً وہ ذاتِ اقدس و اطہر جو تجلیاتِ احسانیہ اور انوارِ رحمانیہ کی ایسی تجلی گاہ ہے کہ عرشِ عظیم کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں۔ جس کسی کے نیاز آگیں دل اور محبت بھری آنکھوں نے حُسنِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جتنا جانا، جس قدر پہچانا اور جس قدر چاہا اتنا ہی اسے عرفانِ خداوندی نصیب ہوا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۵۶)

شانِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں گستاخی کا انجام

اللہ تعالیٰ کے محبوب و حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرنا یا گستاخی کرنا غضبِ الٰہی کو بھڑکا دیتا ہے۔ علم و تقدس کے تمام محلات مسمار کر کے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک فاضلِ اجل سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے تو ایک محجوب اور محروم ازلی نے کہا کہ ہوائے نفس سے کسی کو چھٹکارا نہیں خواہ وہ بھی ہو (وہ سے اشارہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا) کیونکہ انہوں نے بھی کہا ہے "حُبِّبَ الیّ من دنیاکم ثلاث الطیب والنّسآء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ" یعنی تمہاری دنیا سے تین چیزیں میرے لئے مرغوب کی گئی ہیں۔ خوشبو، نساء اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ میں نے اس گستاخ کو کہا کہ تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی۔ حدیث میں احببت یعنی میں پسند کرتا ہوں، کا لفظ نہیں بلکہ حُبِّبَ میرے لئے مرغوب بنا دی گئی ہیں کا لفظ ہے۔ ہوائے نفس تو تب ہوتی کہ احببت کا لفظ ہوتا۔ فرماتے ہیں اس گستاخ کا منہ تو میں نے بند کر دیا لیکن میں اس کی بدزبانی پر بڑا غمگین ہوا کہ اپنے آپ کو امتی کہلانے والا شخص بھی ایسی بات اپنی زبان پر لا سکتا ہے۔ رات کو خواب میں حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا: لا تغتم فقد کفیناک امرہٗ" غمزدہ نہ ہو ہم نے اس کا کام تمام کر دیا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ (روح البیان)

علامہ مرحوم اگر آج زندہ ہوتے اور ان امتیوں کا حال دیکھتے جو اپنے آپ کو بشریت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم پلہ ثابت کرنے کیلئے کس سوقیانہ انداز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا کلیجہ پھٹ جاتا۔

شب پرہ می طلب بدر تمامت نقصان
او نداند کہ ابد نورِ تُو ظاہر باشد
ہر کہ از روئے جلال بر تو سخن می راند
بخشل شد اگرش بو علی کافر باشد

چمگادڑ یہ چاہتی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدرِ کامل کے نور کو کم کر دے وہ بیوقوف یہ نہیں جانتی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور ابد تک درخشاں رہے گا۔ جو بدبخت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں، وہ عقل و فہم میں بو علی سینا کی مانند بھی ہو تو وہ دولتِ ایمان سے محروم ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ سرورِ کائنات علیہ التسلیمات والتحیات کی ذاتِ پاک تو بڑی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء و مشائخ پر بھی بے جا اعتراض کرتا ہے تو وہ نعمت و برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور علم و عرفان کا دروازہ اس کیلئے بند ہو جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۱۶۰)

دامنِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستگی کی برکات

جن افراد نے یا جن قوموں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت کو تھاما، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے دین کو صدقِ دل سے قبول کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش کردہ نظامِ حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ گمراہ تھے لیکن اس نورِ مبین سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد ظلمت کدۂ عالم میں ہدایت کے چراغ روشن کر گئے۔ جاہل تھے لیکن اس چشمۂ علم و حکمت سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشے میں گئے علم و حکمت کھلاتے گئے۔ گنوار اور اُجڈ تھے لیکن پاکیزہ تہذیب و تمدن کے بانی بن گئے۔ جہانگیری و جہانبانی کا ایک اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں کسی ایسے بادشاہ کی گنجائش نہیں جو مطلق العنان ہو، جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہو، جو سب کا محاسبہ کر سکے لیکن اس سے بازپرس کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو بلکہ جو ملک و قوم کا سربراہ ہوگا، اسے خلیفہ کہا جائے گا، جس کا معنی نائب ہے اور نائب وہ ہوتا ہے جسے کسی نے مقرر کیا ہو اور جس پر لازم ہو کہ وہ جو کچھ کرے گا اپنے مقرر کرنے والے کی منشاء اور ہدایت کے مطابق کرے گا۔ ان رحمتوں سے وہ افراد اور قومیں سرشار ہوئیں جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۱۹۱)

علمِ خداوندی جل جلالہٗ اور علمِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضور پُر نور، امام الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ عطائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ نیز حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے ساتھ حضور فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔

ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حادث، عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وُسعتوں کو یا دینے والا جانتا ہے یا لینے والا، یا سکھلانے والے کو پتا ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم تم کس گنتی میں ہیں۔ جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۔ اس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی۔ علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے، ان کی حد بر آری ہم کرنے لگیں گے تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۴۵۸)

بارگاہِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنا شرک نہیں

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرضِ حال کرنا یا صلوٰۃ و سلام پیش کرنا شرک نہیں جیسے بعض غلو پسند لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے مسلمانوں کو مشرک بنانا اپنے فنِ خطابت کا کمال سمجھا ہوا ہے۔ کوئی کلمہ گو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الٰہ نہیں سمجھتا اور نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ ہر نماز میں کئی بار وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ "اشهد ان محمّدا عبده ورسوله" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ آیات جو مشرکینِ عرب کے حق میں نازل ہوئیں ان کو اہلِ اسلام پر چسپاں کرنا تو خارجیوں کا شیوہ تھا۔ معلوم نہیں اپنے آپ کو اہلِ سنّت کہلانے والے خوارج کے پیروکار کب سے بن گئے ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۱۱۵)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مومن کا عقیدہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے توحید کا سبق ہر مومن کی لوحِ قلب پر یوں نقش ہو چکا ہے کہ وہ کسی غیر خدا کو اپنا معبود یا اللہ سمجھنے کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اس مرقع ہر خوبی و زیبائی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے بھی ہر کلمہ گو ہر نماز میں کئی کئی بار پورے یقین اور شرحِ صدر سے یہ شہادت دیتا ہے کہ "اشهد ان محمّدا عبده و رسوله" میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بایں ہمہ کمالات اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا نہیں، خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو کسی اور کے متعلق اس کے دل میں شرک کا خیال کیسے آسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملت میں انتشار پیدا کرنے اور افراط و تفریط سے بچائے اور راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۳۸۰۔۳۸۱)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کی بے انتہا نوازشات

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم، حبیبِ معظم، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا دیا۔ اس کی حقیقت کسی غیر سے نہ پوچھئے۔ کوئی کیا جانے خود اس ربِّ کریم سے پوچھئے کہ اے غنی! جس کے قبضۂ اختیار میں زمین و آسمان کے سارے خزانے ہیں۔ اے کریم! جس کی جود و سخا کی ایک جھلک "یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" میں نظر آتی ہے۔ جس کی صفتِ کمال صرف واہب (عطا فرمانے والا) نہیں بلکہ "اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" (بے اندازہ عطا فرمانے والا) ہے۔ اے اکرم الاکرمین! تو خود بتادے کہ تُو نے اپنے پیارے بندے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا دیا اور کتنا دیا تو جواب ملتا ہے "اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! ہم نے آپ کو جو دیا، بے اندازہ دیا۔ پھر ندا آئی "وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ۖ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا" یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضلِ عظیم ہے۔

یا اس سے پوچھو جس کو دیا ہے کہ اے عبد اللہ! تیرے پروردگار نے جو غنی بھی ہے اور سخی بھی ہے، تجھے کیا عطا فرمایا تو اس کی زبانِ حق ترجمان سے کبھی یہ صدا فردوسِ گوش بنے گی "اعطیت مفاتیح خزائن الارض" مجھے میرے ربّ نے زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمادی ہیں اور کبھی وہ ان الفاظ میں اپنے ربِّ کریم کی کرم گُستریوں کو بیان فرمائے گا "فوضع یدہ بین کتفی فوجدت بردہ بین ثدی فعلمت ما فی السموات والارض" یعنی میرے ربِّ کریم نے اپنا دستِ فیض رساں میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر کیا تھا آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو میں نے جان لیا۔ اور اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل جو نوازشات اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کا صحیح اندازہ لگانا بھی ہمارے علم ناتمام اور فکرِ نارسا کیلئے مشکل ہے۔

قرآن ہی سے سنئے وہ بتاتا ہے "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ" یعنی کان کھول کر سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کسی مکروہ چیز کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی محبوب چیز کے ضائع ہونے کا حزن و ملال ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے "وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ" میزبان خداوند عالم ہے اور مہمان اس کے مقبول بندے ہیں اس کی انمول نعمتوں، دلنواز رحمتوں کا وسیع دستر خوان بچھا ہوا ہے، جس سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ کون ہے جو اس خوانِ کرم کی شیرینی اور رنگینی کا انکار کر سکے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ۵۸۷)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مختار ہیں

اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ ہر کہ و مہ حقیر و عزیز سب کچھ بلا استثناء اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اسی طرح اس میں بھی ذرہ برابر شک نہیں کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ اُٹھے تو اُجڑے دریا میں بہار آجاتی ہے۔ اُنگلی کا اشارہ ہو تو چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کی نظر کرم ہو تو کفر و شرک اور فسق و فجور کی تاریکیاں جگمگانے لگتی ہیں۔ "وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ اور خواہ کسی کی جبیں پر بل پڑیں وہ پورا کر کے رہتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ا، ص ۲۷۴)

وہی ہے طور جہاں پڑگئی نگاہ تری
وہی چمن ہے جہاں مسکرا دیا تُو نے

اتباعِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اگر امتِ مسلمہ اتباعِ حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا شعار بنالے اور سنّتِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ حیاء کا سر ندامت کے بوجھ سے اُٹھ نہیں سکتا جب ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اور عمل کی دُنیا میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے انحراف کیے ہوئے ہیں۔ کیا اچھا کہا کسی شاعر نے ؎

لو كان حُبّك صادقا لا طعته ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ان المحبّ لمن يحبّ مطيع

یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تُو اپنے محبوب کی اطاعت میں سرگرم ہوتا کیونکہ مُحب تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

(ضیاء القرآن، جلد ا، ص ۲۲۲)

انکارِ سنت کا رد

آج کل بعض لوگ اس تحریک کو بڑی سرگرمی سے چلا رہے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کا اتباع کرنا چاہئے۔ سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ قرآن کے احکام کا اتباع کرنے کے دعویٰ کے ساتھ وہ انکارِ سنت کی کیسے جرأت کرتے ہیں۔ کیا قرآن نے ہی بے شمار مقامات پر نہایت واضح اور زور دار انداز میں یہ حکم نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اس کا حکم مانو اور اس کے اُسوۂ حسنہ کو اپناؤ تو گویا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری قرآن سے کوئی الگ چیز نہیں۔ بلکہ قرآن ہی کی بے شمار آیات کی تعمیل ہے اگر آپ سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انکار کریں گے تو آپ نے صرف سنتِ نبوی کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ قرآن کی بے شمار آیات کا انکار کر دیا۔ (ضیاء القرآن، جلد ا، ص ۲۲۲۔۲۲۳)

رضائے الٰہی و رضائے مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یہ بات اپنے دلوں میں پختہ کرلیں کہ زندگی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کیلئے بسر کرنی چاہئے۔ عہدہ بڑا ہو یا چھوٹا، تنخواہ کم ہو یا زیادہ صرف اللہ کی خوشنودی پر عمل کریں۔

انسان جب زندگی کے میدان میں جاتا ہے تو طرح طرح کی پریشانیاں اور دِقتیں آتی ہیں۔ انہیں برداشت کرنا چاہئے اور صبر واستقامت کا دامن ہرگز نہیں چھوڑنا چاہئے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، اپریل ۲۰۰۰ء، ص ۷۷)

عقیدۂ ختمِ نبوت

ختمِ نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ہے جن پر اُمت کا اجماع رہا ہے۔ اگرچہ بد قسمتی سے ملتِ اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ باہمی تعصب نے بارہا ملّت کے امن وسکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ وفساد کے شعلوں نے بڑے بڑے حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس بات پر متفق رہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف علمِ جہاد بلند کرکے اس کی جھوٹی عظمت کو خاک میں ملادیا گیا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۹۶)

نبوت کا سلسلہ کسی خاص ملک، علاقہ یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جہاں بھی انسانوں کا کوئی گروہ آباد تھا وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا ان کے پاس ضرور آیا۔ خواہ وہ نبی ہو یا کسی نبی کا پیروکار، جس نے آکر تبلیغ کا فریضہ ادا کردیا۔ اس میں عرب، مصر یا فلسطین کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہند، چین، جاپان، افغانستان اور دیگر برِاعظم میں بھی نذیر تشریف لائے۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ اب جن انبیائے کرام کے نام قرآن مجید یا صحیح احادیث میں مذکور ہیں ان پر ایمان لانا شرطِ اسلام ہے۔ جن کے اسماء مذکور نہیں، ان پر بھی اجمالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یعنی ان علاقوں میں کسی زمانہ میں جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہم اس کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کیونکہ سلسلۂ نبوت ہی ختم ہوگیا۔ اس آفتابِ عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد کسی چراغ کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اسلئے اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آسکتا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۱۵۲)

علومِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

ذرا غور فرمائیے! متعلم محمد ابن عبد اللہ روحی و قلبی فداہ ہے اور معلم خود خالق ارض و سماء ہے۔ شاگرد مکہ کا امی ہے اور اُستاد عالم الغیب والشہادۃ ہے اور پڑھایا کیا جارہا ہے؟ قرآن۔۔۔۔ کون سا قرآن؟ جو سراپا رحمت ہے، جو مجسم ہدایت ہے، جو نورٌ علیٰ نور ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ" جس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے "وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ" (کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر اس کتابِ مبین میں موجود نہ ہو) اس تعلیم سے جو بحر ناپیدا کنار اس صدر منشرح میں موجزن ہوا اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ "خلیفۃ اللہ فی الارض" آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" اور "خلیفۃ اللہ فی العالم" کے بارے میں فرمایا "عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص۲۶)

ببین تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

بعثتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جس نے آکر انسان کی آنکھ سے جہالت کی پٹی کھولی، اس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں کو تازہ بینائی مرحمت فرمائی اور اسے بتایا کہ یہ مہر و ماہ، ارض و سماء، کوہ و دمن، دریا و صحراء، تیرے مسجود نہیں، تیرے معبود نہیں بلکہ تیرے غلام ہیں۔ تو قدم شوق اٹھا تو سہی، ان کی ساری نخوتیں تیری راہ میں پامال ہونے کیلئے بے چین ہیں۔ تو چشم جہاں بیں کھول کر تو دیکھ، ان کی ساری رعنائیاں اپنے نقاب اُلٹنے کیلئے بے تاب ہیں اور تو ان سے ڈر کر مرعوب ہو کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اور جب بھاگ نہیں سکتا تو غش کھا کر سجدہ کناں ان کے قدموں پر گر پڑتا ہے۔ فاراں کی چوٹیوں سے ایک مسیحا نے ان کی خوابیدہ قوتوں بلکہ انسان کے خوابیدہ بخت کو جھنجھوڑا۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قُم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قُم باذن اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تیری رگوں میں وہی خوں ہے قُم باذن اللہ

(ضیاء القرآن، جلد۱، ص۱۳۰۔۱۳۱)

اسوۂ حسنہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے تو ہمیں جہاں زندگی کی بوقلمونیوں کا ایک حسین و جمیل مرقع نظر آتا ہے، وہاں جنگ کی شعلہ سامانیاں بھی ہیں اور صلح کی رافت و رحمت بھی، دشمن نفرت کے انگارے بھی برساتے ہیں اور عقیدت مند اپنی محبت و مؤدت کے رنگین پھول بھی نچھاور کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حلقۂ یاراں میں دیکھا ہے اور حملہ آوروں کے نرغہ میں بھی۔ ہم نے ان کی کاروباری مصروفیتوں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور غارِ حراء کی خلوتوں میں ان کے سوز و گداز کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ہم نے انہیں وطن سے بظاہر انتہائی بے بسی اور بے کسی میں ہجرت کرتے بھی دیکھا ہے۔ اور پھر چند سال بعد اسی شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے کا منظر بھی ملاحظہ کیا ہے۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان کے برتاؤ کا ریکارڈ بھی ہمارے سامنے ہے اور اپنے جان نثار اور وفاشعار ساتھیوں سے حسنِ سلوک کی تفصیلات بھی ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ الغرض زندگی کے وسیع و عریض میدان کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ کے حسین و جمیل نقوش نہ چھوڑے ہوں۔ یہ جامعیت، یہ ہمہ گیری اسوۂ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی اس آبِ زلال سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اس دارالشفاء میں انسانیت کے ظاہری و باطنی، سیاسی و معاشی، سماجی اور اخلاقی ہر قسم کے ناقابلِ علاج لوگوں کیلئے اکسیر موجود ہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ا، ص ۱۱۲۔۱۱۳)

معلمِ اخلاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت کی دلربائیاں

بے شک معلمِ اخلاق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات ہمہ گیر اور عالمگیر ہیں اور ان کا اسلوبِ بیاں بھی دلنشیں اور دل پذیر ہے لیکن معلم کریم کی شخصیت میں جو دلربائیاں اور رعنائیاں ہیں، وہ قلب و نظر کو مسحور کر رہی ہیں۔ اس کی ایک جھلک دیکھ کر دل دیوانہ اور روح سرشار ہو جاتی ہے۔ ان کی ذاتِ والاصفات میں جو بانکپن اور نکھار ہے، اس نے ان کی دعوت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ کوئی بات نہیں فرمائی، جس پر خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔ لوگوں کو سچ بولنے اور امانت میں دیانت کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی تو راست گفتاری اور امانت داری کا وہ بلند معیار پیش کیا کہ خون کے پیاسے بھی صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو گئے۔ لوگوں کو وعدہ پورا کرنے کی تلقین کی تو خود اس پر یوں کاربند ہوئے کہ دشمن بھی عش عش کر اُٹھے۔ آپ کو معلوم ہے، جب قیصر روم نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق و کردار کے بارے میں دریافت کرے۔ ابوسفیان اس وقت اسلام اور رسولِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا لیکن اس کو بھی مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ آپ کا اخلاق بڑا بلند ہے۔ وہ قول کے پکے اور بات کے سچے ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ا، ص ۱۷۱)

قرآن کریم

انسانی اصلاح کا قرآنی طریقہ

انسان کی اصلاح اور تربیت کا مؤثر طریقہ جو قرآن کریم نے اختیار کیا ہے وہ یہی ہے کہ بندے کے دل میں اس کے خالق و مالک کی خشیت پیدا کر دی جائے، اس کے شعور میں یہ چراغ روشن ہو جائے تو اس کی عمل کی دنیا میں کوئی تاریک گوشہ باقی نہیں رہتا، جس میں چھپ کر وہ کوئی گناہ کر سکے۔ وہ چاہے بھی تو گناہ نہیں کر سکتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے میں اس کا خوف پیدا کر دیں پھر بیشک اسے آزاد چھوڑ دیں اور یقین رکھیں کہ اس کی ساری قوتیں، اس کے سارے وسائل، اس کی جملہ صلاحیتیں خیر کو فروغ دینے اور شر کا قلع قمع کرنے کیلئے وقف رہیں گی۔ اس کے اثر و نفوذ کا حلقہ جتنا وسیع ہو گا، اتنا ہی لوگوں کے اطمینان، مسرت و خوشحالی میں اضافہ ہو گا۔ جتنا ہی وہ طاقتور ہو گا، باطل کو اتنی ہی فیصلہ کن شکست دے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور برگزیدہ بندے اور اس کی ساری کائنات کے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "راس الحکمۃ مخافۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص۳۱۶۔۳۱۷)

قرآن ناصح مشفق ہے

قرآن کریم ہر مناسب مقام پر انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تو اشرف المخلوقات ہے۔ جو شکل و صورت تجھے دی گئی ہے وہ بھی بے نظیر ہے، جو فہم و شعور تجھے بخشا گیا ہے اس کی بھی مثال نہیں۔ فعل و ترک کی جو آزادی تجھے دی گئی کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ اب تیرا بھی فرض ہے کہ اپنے کریم رب کو پہچان، اپنی زندگی کو اس کے احکام کے سانچے میں ڈھال، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ اس سے دو مقصد پورے ہو جائیں گے۔ تیرا خدا بھی راضی ہو جائے گا اور تیری شخصیت کو بھی چار چاند لگ جائیں گے اور تو اپنے مقصدِ حیات کو بھی عمدہ طریقے سے انجام دے سکے گا۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص۲۶۱)

انسانی زندگی کا قرآنی تصور

قرآن کریم نے انسانی زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی بڑی قیمتی چیز ہے، اس کا ایک ایک لمحہ گراں بہا ہے۔ یہ ایسی مہلت ہے جو ایک مرتبہ ہی ارزانی ہوتی ہے۔ انسان جب اپنا مقررہ وقت بسر کر بیٹھتا ہے تو پھر دنیا بھر کے خزانے دے کر بھی اس میں ایک گھڑی کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اچھے یا برے، جو اعمال وہ کرتا ہے، ان کے اچھے یا برے نتائج ضرور مرتب ہوتے ہیں اور وہ اپنے تمام اعمال و افعال کیلئے اپنے خالق و مالک کے ہاں جوابدہ ہے۔ اسی محدود اور مقررہ مدت میں اس نے اپنی عاقبت کو بھی سنوارنا ہے۔ اپنی دنیوی زندگی کو بھی با مقصد، باوقار اور حتی الوسع آرام دہ بنانا ہے۔ مزید برآں اپنی ذہنی فکری اور روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر گلشن ہستی کے حسن اور بہار میں بھی اضافہ کرنا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد۳، ص۵۹۸)

کاش ہم قرآن حکیم کی طرف توجہ کرتے

کاش! ہم اس کتابِ حکیم کی طرف ایسی توجہ کرتے جس کی وہ مستحق ہے تو آج ہم اپنی پستی پر سرد آہیں نہ بھرتے اور اغیار کی سرعتِ رفتار پر تصویرِ حیرت بنے کھڑے نہ ہوتے۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

ہمارے اسلاف جنہوں نے قرآن کریم کو پڑھا جس طرح اس کو پڑھنے کا حق تھا، جنہوں نے اس میں غور و تدبر کیا، جس طرح اس میں غور وتدبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جنہوں نے اس پر عمل کرنا باعثِ سعادت جانا۔ ان کے کارواں جن صحراؤں سے گزرے، وہاں علم و حکمت کے گلشن آباد ہوگئے۔ جن ویرانوں سے گزرے، وہاں شہر بسادیے، جس سنگِ خارا کو چھوا، اسے حسن وجمال کا مظہر بنادیا۔ انہوں نے مُردہ علوم کو حیاتِ نو بخشی اور نئے علوم کی تخم ریزی کی۔ جب اپنے اسلاف کے علمی، تحقیقی اور تخلیقی کارناموں سے فائدہ اُٹھانے کا وقت آیا تو ہم غفلت کی چادر تان کر سوگئے۔ شاعرِ مشرق نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا۔

دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند

یعنی علم و حکمت کا بیج تو عرب کے صحرا نوردوں نے بویا تھا لیکن جب فصل پک گئی تو ان کی آنے والی نسلیں سوگئیں اور فرنگی اس فصل کو کاٹ کر لے گئے۔ (ضیاء القرآن، جلد۳، ص۶۱۷)

قرآن مکمل ضابطۂ حیات ہے

قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو ایک واضح اور مکمل ضابطہ حیات (شریعت) بھی عطا کیا ہے اور یہ ضابطہ اتنا ہی وسیع ہے جتنی زندگی اپنے بوقلموں تنوع کے ساتھ وسیع ہے بلکہ بلا مبالغہ اس سے وسیع تر۔ انسان کیا ہے؟ اس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ اگر وہ حاکم ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اگر وہ رعایا ہے تو اس کے فرائض کی نوعیت کیا ہے؟ اگر وہ دولت مند ہے تو اس کا طرزِ عمل کیسا ہو؟ اور اگر وہ فقیر و محتاج ہو تو کس طرح باوقار زندگی بسر کرسکتا ہے؟ قرآن نے جو شریعتِ کاملہ ہمیں دی ہے اس میں ان سوالات کا مکمل جواب موجود ہے۔ اسی لئے عبادات، سیاسیات، معاشیات، نظامِ اخلاق وغیرہ تمام اُمور کو شریعت نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔ (مقدمہ ضیاء القرآن، جلد۱، ص۱۰)

قرآن کا مقصدِ اولین

قرآن حکیم کا مقصدِ اوّلین انسان کی اصلاح ہے۔ تربیتِ پیہم سے اس کے نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ بناتا ہے۔ ہوا وہوس کے غبار سے آئینہ دل کو صاف کر کے اسے انوارِ ربانی کی جلوہ گاہ بناتا ہے۔ انانیت و غرور، تمرد و سرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالکِ حقیقی کی اطاعت و انقیاد کا خوگر کرتا ہے۔ یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی۔ قرآن مجید نے اس اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن وخوبی سے کہ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۱، ص ۹)

قرآن کریم میں قصۂ یوسف علیہ السلام کو احسنُ القصص کہنے کی وجہ

یوں تو قرآن کریم میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پُر نور اور درخشاں زندگیوں کے بیسیوں قصے مذکور ہیں جن کا ہر پہلو رُشد وہدایت کے انوار برسا رہا ہے لیکن "احسن القصص" کے لقب سے صرف یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داستانِ حیات کو ہی نوازا گیا ہے۔ اس کی وجہ؟ اس کی وجہ ظاہر ہے تکمیلِ انسانیت کی منزلِ رفیع کی طرف جو راستہ جاتا ہے اس کے سارے پیچ و خم، نشیب و فراز، پیش آنے والی دشواریاں، منزل سے دلبرداشتہ کر دینے والے سنگین مرحلے، منزل سے غافل کر دینے والے حسین و جمیل مناظر اور دل موہ لینے والی دلچسپیوں کو اتنی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی ابہام و التباس کی گنجائش تک نہیں رہتی۔ پھر اس جانگداز، کٹھن اور طویل راہ کو طے کرنے کیلئے مسافر کو جس صبر، عزم، توکل، تقویٰ، عالی حوصلگی اور سیر چشمی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا ذکر بھی اتنے دلنشین اور موثر پیرائے میں کیا گیا ہے کہ انسان فطرتِ سعید اور قلبِ سلیم کی نعمت سے محروم نہ ہو تو اس منزل تک رسائی حاصل کرنے کیلئے بے تاب ہو جاتا ہے۔ وہ طوفان سے کھیلتا، بپھری ہوئی لہروں سے آنکھ مچولی کرتا، ہلاکت خیز گردابوں کا منہ چڑاتا، چٹانوں سے کبھی ٹکراتا کبھی دامن بچاتا ہوا ساحلِ مراد کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آپ خود انصاف فرمایئے جس ذاتِ اقدس و اطہر کی داستانِ حیات کا دامن ایسے انمول حقائق سے لبریز ہو اگر اسے احسن القصص نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے اور اگر قرآن اسے احسن القصص نہ کہے تو اور کون کہے؟ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۴۰۱)

اسلام کامل نظامِ حیات ہے

نظریات جب تک صرف نظریات ہوں نہ ان کے حسن وقبح کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نہ ان میں یہ کشش اور جاذبیت پائی جاسکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل پر ابھار سکیں۔ دلائل کے آپ انبار لگادیجئے، فصاحت وبلاغت کے دریا بہادیجئے، لوگ تحسین وآفرین ضرور کریں گے لیکن ان نظریات کو اپنانے اور اپنانے کی جو ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی راہ میں جو خطرات ہیں ان کو وہ اُٹھانے کیلئے آمادہ نہیں ہونگے۔ اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ رُوم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوعِ بحث بنائیں۔ اپنے ذہن رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں پیش کریں۔ مجلس مذاکرہ منعقد کرکے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا۔ بلکہ یہ تو ایک نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اسوقت تک آسان نہیں جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کیلئے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کیلئے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشاداتِ خداوندی پر خود عمل کرکے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگالیں۔

(ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۴۳)

اسلام دینِ فطرت ہے

جب نفسانی جذبات مشتعل ہوجاتے ہیں تو بڑے بڑے دانشمندوں سے انتہائی قبیح حرکتیں سرزد ہوجاتی ہیں۔ جب انتقام کے شعلے بھڑکتے ہیں تو بڑے بڑے حلیم الطبع لوگوں کے ہاتھ سے بھی عدل وانصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ غلط ماحول کے باعث غلط نظریات دل میں جم جاتے ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی شخص گناہوں اور بدکرداریوں سے اپنا دامن آلودہ کرلے اور اس کیلئے توبہ کا دروازہ بند کردیا جائے تو وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوگا اور گناہوں اور عصیاں کی دلدل میں بڑی بے باکی سے بڑھتا چلا جائے گا۔ اس طرح خود بھی برباد ہوگا اور کئی معصوم زندگیوں کو بھی دفن کرکے رکھ دے گا۔

اسی طرح اگر یہ بات کسی کے ذہن نشین ہوجائے کہ گناہ کرنے سے کوئی مضرت نہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ کے سامنے ہمارے ان گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔ ہم کچھ بھی کرتے رہیں وہ بخش دے گا اور جنت کے دروازے ہمارے لئے کھول دیئے جائینگے۔ ایسا انسان بھی عمر بھر اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہتا ہے۔ خونریزی، بدکاری، راہزنی، حق تلفی سے اسے کوئی نفرت نہیں رہتی۔ لوگوں کے حقوق پامال کرنے کے باوجود اور ملک میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کے باوجود اس کے دل میں خلش بھی پیدا نہیں ہوتی جو اس کو بے چین کردے۔

یہ دونوں کیفیتیں انسان کیلئے سم قاتل ہیں۔ اس طرح وہ نہ فقط دوسروں کیلئے وبالِ جان بن جاتا ہے بلکہ اپنی ذات پر بھی ظلمِ عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کو جو تعمیری صلاحیتیں اور نیکی کی قوتیں بخشی گئی تھیں ان سے اگر وہ صحیح کام لیتا تو آسمان شہرت پر مہر وماہ بن کر چمکتا اور قیامت تک دنیا اس کی نیکیوں کو یاد کرتی، اسے دعائیں دیتی، اب وہ بیکار پڑی رہیں اور برگ وبار لائے بغیر ختم ہو گئیں۔

اسلام جو دینِ فطرت ہے، جس کا مقصدِ اوّلین فرد کی صحیح نشوونما اور راہنمائی کرنا ہے تاکہ سلجھے ہوئے اور اصلاح یافتہ افراد سے ایک ایسی قوم معرضِ وجود میں آئے جو قیادتِ اُمم کی ذمہ داری سنبھال سکے اور ساری انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر سکے۔ اس لئے اسلام نے انسان کو نہ تو بالکل بے لگام چھوڑ دیا ہے کہ وہ خرمستیاں کرتا رہے۔ چمنِ حیات کی نازک اور معصوم کلیوں کو مسلتا رہے اور ان کی رنگ ونکہت کو لوٹتا رہے اور اس کے باوجود اپنے دل میں اپنی بخشش کا بھی یقین رکھے اور نہ ہی اسلام نے انسان کو مایوسیوں اور نااُمیدیوں کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا بلکہ صحیح خطوط پر اس کی تربیت کا پروگرام پیش کیا۔ ایک طرف اسے اپنے اعمالِ نیک وبد کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اسے ان نتائج سے آگاہ کیا جو اس کے اچھے یا برے اعمال پر سنت الٰہی کے مطابق مرتب ہو کر رہیں گے تاکہ کوئی کام کرنے سے پہلے وہ ان نتائج کا بھی اچھی طرح جائزہ لے لے اور یہ دیکھ لے کہ کیا وہ ان نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے کیلئے تیار ہے۔ اس کے ساتھ اس کو مایوس بھی نہیں ہونے دیا۔ اسے بتا دیا کہ گناہوں اور بدکاریوں سے تائب ہو کر جب اور جہاں سے وہ نئی اور پاکیزہ زندگی کا آغاز کرنا چاہے، اسے اس کا موقع دیا جائے گا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۲۷۷۔۲۷۸)

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کا نظامِ شریعت ایسا نہیں جو انسان کے فطری تقاضوں سے ہر وقت برسرِپیکار ہو۔ اللہ تعالیٰ ان فطری تقاضوں کا خالق ہے اور ان تقاضوں کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ اس لئے اس نے ان کی تکمیل کے تمام جائز و مناسب اور خوبصورت طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔ فطری تقاضوں کی تکمیل کے جائز طریقوں کے ہوتے ہوئے جو شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے اسے وہ سزا دیتا ہے اور سزا بھی ایسی جس سے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کر کے اس نے اپنے ساتھ سراسر زیادتی کی ہے بلکہ دیکھنے اور سننے والوں کو بھی ایسی عبرت ہوتی ہے کہ وہ اس کے ارتکاب کی جسارت شاذ ونادر ہی کیا کرتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۲۸۴)

اسلام کیا چاهتا هے؟

اسلام یہ چاہتا ہے کہ جس ملک میں اس کا پرچم لہرا رہا ہے، وہاں امن ہو، سکون ہو، محبت ہو، پیار ہو تا کہ وہاں کے بسنے والے اپنی صلاحیتوں کو نیکی اور اصلاحی سرگرمیوں میں خرچ کر سکیں۔ تعمیری کاموں کیلئے ان کے پاس وقت کی قلت نہ ہو۔ عداوت، حسد، منافرت کے شعلے ان کے خرمنِ عافیت کو جلا کر خاکستر نہ کرتے رہیں۔ اس لئے اس نے انسدادِ جرائم کی ادھوری اور غیر مؤثر کوشش نہیں کی بلکہ ایک جامع منصوبہ بنایا ہے جس پر عمل کرنے سے سوسائٹی ان جرائم سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں خداوندِ ذوالجلال پر ایمان اور روزِ محشر کے محاسبہ کا خوف پیدا کیا اور یہ حقیقت ان کے سامنے واضح کردی کہ جس خدا کو تم اپنا معبود سمجھتے ہو۔ جو تمہارا اور سارے عالم کا خالق و مالک ہے اس نے ان اعمال کو جرم قرار دیا ہے۔ اگر تم ان کا ارتکاب کروگے تو اس کے مجرم ہوگے اور وہ ہمہ دان بھی اور ہمہ بین بھی ہے۔ تم اس سے اپنا کوئی عمل چھپا نہیں سکتے۔ تصنع اور بناوٹ کے رنگین غلافوں میں لپیٹنے کی کوشش وہاں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تم اپنے حسنِ نیت یا مجبوری کو کتنے مؤثر پیرایہ میں بیان کرو تم اسے فریب نہیں دے سکتے۔ وہ تمہارے اعمال، ان اعمال کے محرکات اور عوامل سے خوب آگاہ ہے اور قیامت کے دن تم اپنے اعمال کی جوابدہی کیلئے اس کی بارگاہ میں ضرور پیش کیے جاؤگے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۲۸۴)

شریعتِ اسلامیہ فقط گناہوں سے نہیں روکتی اور ان کے ارتکاب پر سزا نہیں دیتی بلکہ ان تمام وسائل اور ذرائع پر پابندی عائد کرتی ہے اور انہیں ممنوع قرار دیتی ہے جو انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں تا کہ جب گناہوں کی طرف لے جانے والا راستہ ہی بند ہوگا تو گناہوں کا ارتکاب آسان نہیں ہوگا۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے والے جذبات، شہوت کو مشتعل کرنے والے اسباب سے نہ روکنا اور ان کو کھلی چھٹی دے دینا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ ہم اپنے قانون کی قوت سے لوگوں کو برائی سے بچالیں گے، بڑی نادانی اور ابلہی ہے۔ اگر کوئی نظام ان عوامل اور محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا جو انسان کو بدکاری کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس برائی کو برائی نہیں سمجھتا اور نہ اس سے لوگوں کو بچانے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے اس کی زبان پر جو کچھ ہے وہ اس کے دل کی صدا نہیں بلکہ محض ریاکاری اور ملمع سازی ہے۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بند کردہٴ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

کسی کو بہتے ہوئے دریا میں دھکا دے کر گرا دینا اور پھر اس کو یہ کہنا کہ
خبردار اپنے دامن کو پانی کی موجوں سے گیلا نہ ہونے دینا، بہت بڑی زیادتی ہے۔

(ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۳۱۱-۳۱۲)

اسلام کیا ہے

اسلام تو یہ ہے کہ انسان عقیدۂ توحید پر بھی غبار نہ آنے دے اور شانِ رسالت سے بھی آنکھیں بند نہ کرے۔ توحید کے گیت گاتا ہوا، عظمتِ حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پرچم لہراتا ہوا، ذوق و شوق کی وادی کو طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ اگر توحید میں فرق آگیا تو شرک ہو گیا اور اگر دانستہ بدبختی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خداداد شان کا انکار کیا تو گمراہ ہو گیا۔ الٰہی! اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشمِ مازاغ کے طفیل اور مقام دنیٰ فتدلیٰ کے صدقے ہمیں راہِ ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۳۰۶)

اسلامی تھذیب و تمدن

اسلام کے اصول، اس کا تمدن، اس کی تہذیب اور اس کی ثقافت کتنی روح پرور ہے۔ ذرا غور تو کیجئے جب ایک مسلمان صبح سویرے اٹھتا ہے تو سب سے پہلے اٹھ کر وضو کرتا ہے۔ ہاتھ دھوتا ہے۔ منہ اور دانت صاف کرتا ہے۔ چہرہ کا میل، آنکھوں کا میل دھل جاتا ہے۔ وہ مسح کرتا ہے تو اس کے گیسوئے عنبریں تر ہو کر سنور جاتے ہیں۔ پھر وہ خدائے کائنات کے حضور اپنا سرِ نیاز جھکا دیتا ہے اور اس کے بعد اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو کیا کیا برکتیں ظہور پذیر ہوں، جن کا کوئی حد و حساب ہی نہیں لیکن دوسری قومیں اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ صرف اپنے جسم کی ظاہری صفائی کا خیال رکھتی ہیں۔ (ابرِ کرم، ص ۴۱)

آج اسلام کی شدید ضرورت ہے

نوعِ انسانی کو دینِ اسلام کی جس قدر آج ضرورت ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ ترقی یافتہ قومیں اپنے تمدن اور ثقافت سے مایوس ہو چکی ہیں۔ انہیں ضرورت ہے کہ وہ اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس بجھائیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانیت کیلئے درد ہے، جو اپنے بھائیوں کی ضلالت و گمراہی پر پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے۔ جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور دعوت کے کامل و مکمل ہونے کا یقینِ محکم ہے، اس کا یہ خوشگوار فریضہ ہے کہ ان اندھیروں میں بھٹکنے والی مخلوق کی راہنمائی کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کو بڑے مدلل اور دلکش انداز میں پیش کرے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۹۹)

اسلام مُعتدل دین ہے

کوئی چیز خواہ کتنی منفعت بخش اور حسین و جمیل ہو۔ اس میں جب افراط و تفریط راہ پا لیتی ہے تو اس کی منفعت مُضرت میں بدل جاتی ہے۔ اس کا حسن و جمال پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ اس کے دینِ الٰہی ہونے کی یہ ایک روشن دلیل ہے۔ عبادات، معاملات، قوانین اور اخلاق الغرض اس کے جملہ اوامر و نواہی میں اعتدال کا نور جھلک رہا ہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۱۳۲)

انسانی اعمال کا ریکارڈ

جب ٹیلی ویژن اسٹیشن پر پیش کیا جانے والا پروگرام اپنی تفصیلات کے ساتھ دُور دُور تک دیکھا جا سکتا ہے۔ مکانوں کی دیواریں، قلعوں کی فصیلیں، اونچے اونچے پہاڑ اور گھنے جنگلات ان تصاویر کو دیکھنے میں مانع نہیں ہوسکتے۔ جب ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ہر آواز کو اس کے لب ولہجہ اور زیر وبم کے ساتھ مقید کیا جا سکتا ہے اور جب کوئی چاہے انہیں بار بار سن سکتا ہے۔ اگر راڈار کی آنکھ ہزاروں میل دور اڈوں سے اُڑنے والے جہازوں کا سراغ لگا سکتی ہے تو اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا کہ زمین کا ذرہ ذرہ ایک خاموش تماشائی کی طرح ہماری کارستانیوں کو دیکھ رہا ہے اور اس کا ریکارڈ مرتب کر رہا ہے۔ قیامت کے روز ہماری زندگی کی پوری فلم تفصیل سے ہمیں دکھادی جائے گی پھر کس میں یہ ہمت ہوگی کہ وہ ان چیزوں کا انکار کرے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۲۳۲)

شرفِ انسانیت

جو لوگ اپنی انسانیت کی لاج رکھتے ہیں۔ اس کے دامن شرف پر کوئی داغ نہیں لگنے دیتے، اپنے خالق کے ذکر کی شمع روشن رکھتے ہیں اس کے احکام کی بجاآوری میں سرگرم رہتے ہیں، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق انہیں رات دن بے چین رکھتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو احسنِ تقویم کے کمالات سے موصوف ہیں۔ ان کو ہی اللہ تعالیٰ ایسا اجر دے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ جب تک وہ اس دنیا میں زندہ رہیں گے ان پر ان کے ربّ کی رحمت نازل ہوتی رہے گی۔ جب یہاں سے رختِ سفر باندھنے لگیں گے توانہیں "ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" کی نوید جانفزا سنائی جائے گی۔ جب قیامت کے دن قبروں سے اُٹھیں گے تو "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" کی شان ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہی ہوگی اور جب فردوسِ بریں میں قدم رکھیں گے تو "قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ" سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ انہوں نے تو کچھ مدت اپنے ربّ کی بندگی میں گزاری لیکن ان کا ربّ جن نعمتوں سے انہیں نوازے گا وہ پایاں ناپذیر ہوں گی۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۴۰۸)

انسانی عظمت

اگر انسان کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صوری اور معنوی حسن و کمال میں کوئی چیز بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ گراں قیمت حیوان، زور آور جانور، درندے پرندے، ہوائی اور آبی مخلوقات سب کی سب انسان کے سامنے سرافگندہ ہے اور اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتی۔ گرانڈیل ہاتھی سے ایک فیل بان جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے، چھ سات سال کا بچہ اونٹوں کی ایک قطار کو جدھر چاہتا ہے لے کر چلا جاتا ہے۔ شوخ و شنگ برق رفتار گھوڑے پر جب انسان سوار ہوتا ہے تو وہ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ نوامیسِ فطرت کو وہ اپنی علمی قوت سے مسخر کرکے ان سے اپنی چاکری لے رہا ہے۔ عقل، فکر و نظر، قیاس و استنباط کی جو بے نظیر قوتیں اسے بخشی گئی ہیں، کائنات کی کوئی چیز اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس کے علم و عرفان کی وسعتوں کا تو یہ حال ہے کہ نوری فرشتے بھی اس کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اس کی قامتِ راست اور اعضاء کی ساخت بھی بے نظیر ہے۔ ہر جانور اپنی خوراک حاصل کرنے کیلئے اپنا سر زمین پر جھکاتا ہے لیکن انسان کو اس کیلئے سر جھکانا نہیں پڑتا بلکہ اس کے ہاتھ لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ اس کے جس پہلو کو دیدۂ حق بیں سے دیکھا جائے بے ساختہ تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کا نعرہ بلند ہونے لگتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص۲۰۶)

حضرت انسان تو ایک طور ہے۔ اس کا ذرّہ ذرّہ حکمتِ الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کی حیوانی زندگی کو برقرار رکھنے والے اعضاء معدہ، جگر، دل پھیپھڑے، گردے، جسم کے ان گنت مسام اپنے کام میں جتے ہوئے ہیں اور آپ کو ان کی تگ و دو کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ آپ کے ارادے کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ انسانی زندگی کے تقاضے پورے کرنے کیلئے آپ کو ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ باطنی حواس اور ان سے بھی اعلیٰ چیز دماغ عطا فرمایا اور جہاں یہ قوتیں گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اور آپ کی راہنمائی سے قاصر ہو جاتی ہیں یا آپ کو بہکانے لگتی ہیں تو اس وقت بارگاہِ الٰہی سے نبی، نورِ نبوت سے سراپا نور بن کر تشریف لاتا ہے اور شکوک و شبہات کے اندھیرے کو کافور کر دیتا ہے۔ اس کی حیات آفریں راہنمائی شیطان کی ساری فریب کاریوں اور عیاریوں کو بے اثر بنا کر رکھ دیتی ہے پھر اس میں بھی ہدایت فرمائی اور ہدایت پذیری کے ان گنت درجات ہیں اور ایک مقام وہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دستِ لطف و توفیق اپنے بندے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اس کو منزلِ مراد پر پہنچا دیتا ہے۔

سبحان من شئون لطفه لا تحصى ولو ان كرمه لا تعد سبحان ربي الاعلى سبحان ربي العظيم

(ضیاء القرآن، جلد۵، ص۵۴۲)

عام انسانوں کا وتیرہ

عام انسانوں کا یہ وتیرہ ہے کہ جب مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں تو وہ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی قسمت کو کوستے ہیں، گردشِ روزگار کو ملا حیاں سناتے ہیں اور حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں لیکن جب حالات سازگار ہوتے ہیں، کاروبار میں نفع ہوتا ہے، کھیتی باڑی اور باغات سے خوب آمدنی ہوتی ہے تو پھر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ سب ان کے طالع ارجمند کی برکت ہے۔ وہ خود بڑے زیرک اور معاملہ فہم ہیں۔ کاروبار اور زراعت کے اسرار و رموز پر انہیں کامل دسترس حاصل ہے۔ یہ ساری کامیابیاں ان کی اپنی ذہانت اور ہوش مندی کا نتیجہ ہیں۔

یہ دونوں حالتیں انسان کیلئے انتہائی خطرناک ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۱۲۳۔ ۱۲۴)

توہینِ انسانیت

آپ خود سوچئے وہ ستمگر جو اپنے قومی غذائی ذخائر کو چند ٹکوں کے لالچ میں دشمن ممالک کو ناجائز ذرائع سے برآمد کرتا ہے، جو انجینئر ملک کی شاہراہوں، پلوں اور ڈیموں کی تعمیر میں بددیانتی کرتا ہے، جو صنعت کار اجناسِ خوردنی اور ادویہ میں ملاوٹ کرنے کا کاروبار کرتا ہے، جو تاجر اجناسِ خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے کیا وہ کتّے اور خنزیر سے پست تر نہیں، جو شخص فسق و فجور کی غلاظتوں میں خوش رہتا ہے، گندگی میں جنم لینے والے کیڑوں سے کیا وہ کسی صورت میں بہتر ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص سے انسانیت کی خلعتِ فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے۔ اس کے سر سے اشرف المخلوقات ہونے کا تاج اُتار لیا جاتا ہے۔ معاشرے کی نگاہوں میں وہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسانوں کیلئے دوزخ کے طبقات میں سے وہ طبقہ مخصوص کیا جائے گا جو پست ترین ہوگا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۶۰۷)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو بھی ارادہ کی آزادی اور اختیار نہ دیتا جس طرح دوسری مخلوقات بے چون وچرا اس کے احکام کی تعمیل کر رہی ہے اسی طرح حضرت انسان بھی اس کے احکام کے سامنے سر افگندہ رہتا لیکن رحمتِ الٰہی نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کی صنعتِ تخلیق کا یہ شاہکار عمل کی آزادی سے محروم ہو۔ گدھے اور بیل کی طرح بے ارادہ اور بے اختیار زندگی گزار کر راہیٔ ملکِ عدم ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور عمل کی ایک گونہ آزادی عطا فرمائی تاکہ وہ راہِ حق پر گامزن ہو تو اپنی مرضی سے اور اگر کفر و گمراہی پر کاربند ہو تو اپنی مرضی سے۔ جو لوگ ہدایت قبول کریں گے اور سیدھی راہ پر چلتے رہیں گے، قدم قدم پر نصرتِ الٰہی ان کی حوصلہ افزائی کرتی رہے گی اور جو بد نصیب دانستہ غلط راہ منتخب کریں گے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر ہلاکت کے گڑھے میں گرنے پر وہ مُصر ہوں گے تو ان کی منت سماجت نہیں کی جائے گی کہ بھلے مانسو تم ایسا نہ کرو۔
(ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۳۶۴)

انسان فطرتاً سعید ہے

انسان کی فطرت سعید ہے اس لئے طبعاً وہ نیکی کو پسند کرتا ہے اور حق کو قبول کر کے اس کو اطمینان اور خوشی ہوتی ہے لیکن اگر غلط تربیت، بگڑے ہوئے ماحول یا حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر جو راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے تو اس کی صحیح فطرت بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اس کا ضمیر اسے سرزنش کرتا ہے اور یہ سرزنش بڑی تلخ اور تیز ہوتی ہے۔ پھر یا تو انسان اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو پھر دل سے اٹھنے والی پیہم صدائے احتجاج کو خاموش کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس کی طرف سے غفلت برتنے لگتا ہے حتی کہ وہ آواز خاموش ہو جاتی ہے یا اس آواز کو سننے والے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ گناہ میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ دوسروں کو اپنے ظلم کی تلوار سے تڑپتے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے اور غلط و نسیان کا پردہ اتنا دبیز ہوتا ہے کہ اس کی آنکھیں انجام کی ہولناکیوں کو بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کی غفلت اس کیلئے بڑا سہارا ثابت ہوتی ہے اور وہ بڑے اطمینان سے ہر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا وہ غفلت اور خود فراموشی اسے ہولناک انجام سے بچا سکتی ہے۔ جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو اسے کوئی ایسا گوشہ مل سکے گا جہاں وہ چھپ جائے اور اس کی کسی کو خبر نہ ہو۔ اس لئے خیر خواہی کا تقاضا یہ نہیں کہ آپ غفلت کی چادر تان کر سو رہے ہوں، خطرات کا گھیرا تنگ ہو رہا ہو اور اس خیال سے آپ کو جھنجھوڑا نہ جائے کہ آپ کی آنکھ کھلے گی اور اپنے ماحول کی سنگینی کا مشاہدہ کر کے آپ پریشان ہوں گے۔ بلکہ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو جگایا جائے۔ آپ کو جھنجھوڑا جائے اور اگر پھر بھی آپ آنکھ نہ کھولیں تو غفلت کی چادر نوچ کر پھینک دی جائے تاکہ بروقت ہوشیار ہو کر آپ اپنا بچاؤ کر سکیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۱۵۱)

خدا فراموش انسان

خدا فراموش انسان بڑی بے باکی اور بے حیائی سے زمین کے گوشے گوشے کو اپنے گناہوں سے داغدار کرتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ درخت، یہ پتھر، یہ خاک کے ذرّے گونگے بہرے ہیں۔ انہیں اس کے کرتوتوں کا احساس تک نہیں۔ لیکن یہ اس کی نادانی ہے۔ جب قیامت کے جھٹکوں سے کرّہ زمین پھٹ جائے گا۔ اس میں چھپی ہوئی سب چیزیں آشکارا ہو جائیں گی۔ اس وقت زمین کے وہ درخت جن کی گھنی چھاؤں میں وہ دادِ عیش دیتا رہا اور وہ چٹانیں جن کی اوٹ میں وہ گناہوں کی بزم آباد کرتا رہا وہ چشم دید گواہوں کی طرح گویا ہو جائیں گے اور اس کے اعمال کا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیں گے۔ اس وقت اس کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سود۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۶۳۰)

بندۂ مومن کی زندگی

اے بندۂ مومن تیری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اسے بچوں کی طرح لہو ولعب میں برباد مت کرو۔ تیری ذات خود بڑی ہی حسین ہے، تجھے ان عارضی آرائشوں کی کیا ضرورت ہے۔

ع   حاجت مشاطہ نیست روئے دل آلام را

تجھے اپنے آباؤ اجداد، اپنے حسب ونسب پر فخر زیب نہیں دیتا۔ تجھے ہر وقت اپنے اعمالِ حسنہ میں اضافہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے تاکہ تیرا سارا ملک اور بنی نوع انسان اس سے فیض یاب ہوتے رہیں۔ دولت کے انبار اور اولاد کی کثرت انسان کی عزت میں اضافہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہی معزز ومکرم ہوتا ہے جس کا ظاہر وباطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہو۔ اس کے علاوہ یہ ساری چیزیں "چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے"۔

انسان کو چاہئے کہ اپنے عمل سے ایسے چراغ روشن کرے جن سے وہ اندھیری رات منور ہو جائے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک بڑی پیاری حدیث ہے۔ ارشاد ہے:۔

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

کہ مسلمان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر غیر ضروری چیز کو نظر انداز کرتا چلا جائے۔

(ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۱۲۱۔۱۲۲)

مومن کا جذبہ بڑا بلند ہوتا ہے

بے شک ایمان لانا اور اس پر ثابت قدم رہنا بہت بڑی بات ہے لیکن اس سے اونچا ایک اور مقام ہے جس پر آشیاں بند ہونے کیلئے کوشاں رہنا ہر بندۂ مومن پر لازم ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کو بھی خداوندِ قدوس کی وحدانیت وکبریائی پر ایمان لانے کی دعوت دے۔ اس کے سچے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمانبرداری، اس کی نازل کی ہوئی کتاب کے احکام کو بجالانے کی ترغیب دے۔ صرف اسی بات پر مطمئن نہ ہو جائے کہ اس نے اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس کو بجھا لیا بلکہ ان تشنہ لبوں کا درد بھی اس کو بے قرار کردے جو ریگ زارِ حیات میں ایک قطرۂ آب کیلئے ترس رہے ہیں۔ اس کے دل میں یہ شدید جذبہ ہو کہ جس طرح اس نے اپنی تاریک زندگی میں ایمان کی شمع روشن کرلی ہے۔ گمراہی کی ظلمتوں میں ٹھوکریں کھانے والا کوئی شخص بھی اس نورِ یقیں سے محروم نہ رہے۔ خود سوچئے اس مقام کو مقامِ رفیع کیوں نہ کہا جائے۔ کیا اس سے بھی زیادہ خیر خواہی اور بھلائی کا کوئی جذبہ ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۳۴۵)

ایمان کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ

جس قوتِ ارادی، عزم اور قربانی کی ضرورت ایمان کے ظاہری دشمنوں کے مقابلہ کیلئے ہے اسی طرح شیطان اور نفس کا مقابلہ کرنے کیلئے بھی ان صفات کا مظاہرہ ضروری ہے بلکہ یہاں پہلے سے بھی چوکس اور ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔ وہ دشمن تھا اور دشمن کالباس پہن کر آیا تھا۔ یہ ایسے دشمن ہیں جو اپنے آپ کو مخلص ترین دوست ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی چالیں بڑی باریک ہوتی ہیں۔ ان کا دامِ فریب تب نظر آتا ہے جب انسان اس میں پھنس کر پھڑ پھڑانے لگتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۲۴۷)

نجات کا دارو مدار ایمان اور عملِ صالح پر ہے

نجات کا دارومدار کسی قوم و نسب سے وابستگی پر نہیں بلکہ ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ اسلام سے پہلے انسانیت کی تقسیم رنگ اور نسل اور وطن کی بنیادوں پر ہوتی تھی۔ ہر سفید رنگ والا خواہ اس کا نامۂ عمل کتنا سیاہ ہو، ہر کالی رنگت والے سے برتر ہے خواہ اس کی سیرت مہر وماہ سے تابندہ تر ہو۔ ہر برہمن وہ کتنا جاہل اور کندۂ ناتراش ہی کیوں نہ ہو افضل ہے ہر فاضل اور کامل سے جسے کسی برہمن ماں نے جنم نہیں دیا۔ جرمنی کی حدود میں پیدا ہونے والا خواہ کتنا خونخوار اور زیاں کار کیوں نہ ہو اپنی نجابت میں لاجواب ہے۔ یہ شرف اسلام کو حاصل ہے جس نے ان فاسد بنیادوں کو اکھیڑ پھینکا اور انسانیت کی تقسیم مومن اور کافر، صالح اور فاسق، نیک اور بد کی اساس پر کی۔ اور اس طرح بلاوجہ اترانے والوں سے فخر ومباہات کے سب جھوٹے اسباب چھین لئے اور نیکی اور تقویٰ کے میدان میں سبقت لے جانے والوں کے راستہ میں حائل ہونے والی سب چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

فللّٰه ورسوله الحجة البالغة

(ضیاء القرآن، جلد ۱، ص ۷۰-۷۱)

شجرِ ایمان کی ثمر باری

دوسرے درختوں پر سال میں ایک بار پھل لگتا ہے اور وہ بھی کبھی زیادہ کبھی کم پکتا ہے اور کبھی کچا ہی گر جاتا ہے۔ لیکن شجرِ ایمان کا کیا کہنا۔ ہر سال بارہ مہینے اس کی فلک بوس شاخیں میٹھے اور لذیذ پھلوں سے لدی ہوئی جھومتی رہتی ہیں۔ ایک لمحہ بھی تو ایسا نہیں آتا کہ اس کی شاخیں ثمر سے خالی ہوں ؎

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا اِلٰہ اِلّا اللہ

(ضیاء القرآن، جلد ۱، ص ۵۱۵)

ایمان اور علم ذریعہ بلندی درجات

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی مراتب اور رفع درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے۔ ایک ایماندار شخص نادار و مفلس کیوں نہ ہو، کافر رئیسوں سے اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بلند ہے۔ علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے

خوب تراز خونِ نابِ قیصرے

یعنی قنبر جو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا اس کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ قیصر کے خون سے زیادہ عزت والا ہے۔

(ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۱۲۶۔۱۲۷)

ایمان باللہ کی برکات

یہ دنیا دار المحن ہے۔ مصائب و آلام سے کسی کو مفر نہیں۔ بیماری، صدمے، تجارت و زراعت میں خسارہ، کسی عزیز ترین مقصد میں انتہائی مساعی کے باوجود ناکامی، یہ ایسے حالات ہیں جن سے کم و بیش ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے لیکن آلام و مصائب کے ہجوم میں ہر شخص کا ردِّ عمل یکساں نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جن کا خدا کی ذات پر ایمان نہیں ہوتا وہ اپنے آپ کو ان حالات میں ایک بے بس تنکا محسوس کرتے ہیں جسے ہوا کے جھونکے اِدھر سے اُدھر پھینک رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت جس ذہنی پستی اور اخلاقی انحطاط کا یہ لوگ مظاہرہ کرتے ہیں اسے دیکھ کر شرافت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور آنکھیں فرطِ ندامت سے جھک جاتی ہیں لیکن جن کو خدا پر ایمان ہوتا ہے اور ایمان بھی ایسا مستحکم اور استوار کہ اس میں ذرہ برابر لچک نہیں۔ ان کی شان اس وقت دیدنی ہوتی ہے۔ شیروں کے نرغے میں بھی وہ مسکرا رہے ہوتے ہیں۔ بے رحم طوفانوں میں بھی ان کے یقین کی شمع فروزاں رہتی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ بے آسرا نہیں۔ خدا کی ذات ان کا آسرا ہے اور یہ بہت بڑا آسرا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ان کے پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اگر اس نے انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تو یہ اس کا ظلم یا بے انصافی نہیں یا اپنے فرمانبردار بندے سے اس کا تغافل اور اس کی بے رُخی نہیں بلکہ اسی میں ان کی بہتری اور بھلائی ہے۔ یہی عین مصلحت ہے۔ اس طرح ان کے دل مضطرب اور بے چین نہیں ہوتے۔ آزمائش کی اس پُر خار وادی کو بڑے صبر و تحمل اور سکون و وقار کے ساتھ طے کرتے جاتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۲۶۶)

بیعت کی حقیقت

یہ بیعت جو آج ہم اپنے پیر و مرشد کے ہاتھ پر کرتے ہیں، یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت ہے۔ یہ وہی بیعت ہے جو صحابہ نے دستِ ہدایت بخش مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کی تھی۔ یعنی اس کی وہی شرطیں ہیں، اس کی وہی قیود ہیں اور اس کی وہی ذمہ داریاں ہیں۔ بیعت کرنے کے بعد انسان اپنا سب کچھ فروخت کر دیتا ہے۔ اب اسے یہ اختیار نہیں رہتا کہ اپنی مرضی سے اپنے مال یا اپنی جان میں تصرف کرے۔ اب اس کی نگاہ کی حرکت اور دل کے ارادے اور دماغ کی تفکیر سب اپنے مالکِ حقیقی کی رضا کیلئے وَقف ہوتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں یہ شرف بخشا جائے۔ بلند اقبال ہیں وہ رُوحیں جنہیں یہ سعادت نصیب ہو، لیکن مجھے نہایت افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت سے لوگ بیعت کرتے ہیں لیکن اس نعمتِ عظمیٰ اور شرفِ جلیل کی قدر نہیں کرتے اور بدقسمتی سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس غلط فہمی میں ہیں کہ کسی کے ساتھ بیعت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اب نماز، روزہ کی پابندی سے بھی آزاد ہو گئے۔ اگر کوئی شخص اپنے ساتھ بیعت کرنے والوں سے ایسا کہتا ہے تو سن لو کہ وہ جھوٹا ہے اور اگر کوئی مرید ایسا سمجھتا ہے تو سن لو کہ وہ نا سمجھ ہے۔ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء سے بڑا کوئی پیر نہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے زیادہ مخلص کوئی مرید نہیں۔ نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے ایسا کہا اور نہ صحابہ نے ایسا سمجھا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ وصیت فرمائی تھی:۔

"اے میری لختِ جگر ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن سب لوگ تو اپنے ساتھ نیک عمل لے کر آئیں اور تو یہ کہتی ہوئی آئے کہ میں رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیٹی ہوں۔" (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۲، ص ۳۹۰۔۳۹۱)

کامل صوفی

صوفی کا دل اوپر جھانکتا رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ صفائی کے درپے رہتا ہے۔ اپنے اوقات کو میل کچیل سے پاک رکھتا ہے۔ وہ نفس کو اجازت نہیں دیتا کہ دل کو گدلا کرے۔ اس کا ایک ہاتھ اللہ کے دستِ قدرت میں ہوتا ہے اور دوسرا نفس کی باگ پر۔ جونہی نفس سرکشی کرتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ اب وہ ڈنگ مارے گا۔ فوراً اللہ کی پناہ چاہتا ہے۔ پھر اس کے اندر ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ یوں وہ کامل صوفی بن جاتا ہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت نمبر (ماہنامہ ضیائے حرم)، ص ۴۰۸)

اسلام میں تصوف کا مقام

تصوف کی تاریخ اور صوفیا کرام کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھ کر ایک منصف مزاج محقق اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام میں تصوف کا وہی مقام ہے جو روح کا جسم میں، خوشبو کا پھول کی پتی میں اور روشنی کا مہتاب میں۔ جب سے تصوف کی طرف ہماری رغبت کم ہوئی ہے، عبادات کے گلشن میں جو پھول کھلتے ہیں، وہ اس مہک سے عاری ہیں۔ اعمال کے جو درخت ہیں، وہ پھل سے محروم ہیں۔ جسم تو بارگاہِ الٰہی میں جھکتا ہے لیکن روح کو خبر تک نہیں ہوتی۔ زبان تسبیح و تہلیل میں مصروف ہوتی ہے لیکن دل کسی اور صحراء میں بھٹک رہا ہوتا ہے۔ نہ عبادات میں لطف رہا ہے اور نہ اعمال کی نورانیت کے جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد۱، ص ۳۹۵۔۳۹۶)

برکاتِ تصوف

تصوف وہ نظام ہے جو انسان کی صرف جسمانی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی روحانی بالیدگی پر اپنی ساری مساعی کو وَقف کر دیتا ہے۔ اس کے مکتب کے طالب علم جب نماز ادا کرتے ہیں تو صرف ان کی زبان ہی تسبیح و تہلیل نہیں کرتی۔ ان کے ظاہری اعضاء ہی قیام اور رکوع و سجود میں مصروف نظر نہیں آتے بلکہ ان کا دل، ان کی روح، ان کے جسم کا رُواں رُواں ذکرِ الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔ ان میں تواضع، انکسار، بردباری، تحمّل، ایثار، عفو و درگزر، محبت و مودّت کے وہ مکارمِ اخلاق رونما ہوتے ہیں کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کی زیارت کرکے ان کا دین قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد۱، ص ۳۹۴۔۳۹۵)

تصوف اور ہماری ذمہ داریاں

آج تصوف پر ہر طرف سے یورش ہو رہی ہے۔ الزام تراشی میں ایسی جدت طرازیاں اور نُدرت آفرینیاں برتی جارہی ہیں کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ بیگانے تو عرصہ دراز سے تیرا فگنی میں مشغول تھے۔ انہیں ایسا کرنے کا حق بھی تھا۔ تصوف نے ان کے ظلمت کدوں کے اندھیروں کا خاتمہ کردیا۔ وہ اندھیروں کی مخلوق تھے۔ اس چکاچوند نے ان کی دنیا تاریک کردی۔ ان کی بزمِ عیش و نشاط اُلٹ دی گئی۔ ان کے ہوا و ہوس کے صنم کدے ویران ہو گئے، ان کی عمرانی، معاشی اور معاشرتی قدریں جو انہیں بے حد عزیز تھیں اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھیں۔ تصوف اور اس کے حاملین کے ہاتھوں جنہیں اتنے چرکے لگے ہوں، ان کی برہمی اور ناراضی بے جا نہیں۔ اپنی آتشِ انتقام کو بجھانے کیلئے اگر انہوں نے کذب و افتراء کا سہارا لیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اور نہ ہمیں ان کا شکوہ کرنا زیب دیتا ہے۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اپنے بھی تیشہ اور کدال لیے اس حصارِ محکم کو منہدم کرنے کے درپے ہیں۔ جن کو کئی صدیاں اس قلعہ نے حوادثاتِ دھر کی بے رحم یلغاروں سے بچایا۔ وہ لوگ بھی اس چشمہ شیریں کو بند کرنے میں کوشاں ہیں، جس کے آبِ زلال نے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے گلستانوں کو شاداب کیا اور پُر بہار رکھا۔ جس قوم کی تاریخ تصوف کے تخلیقی اور تعمیری کارناموں سے درخشاں ہے، وہی قوم اب اس سے نالاں ہے۔

یہ صورتِ حال قابلِ برداشت نہیں۔ وہ لوگ جو تصوف کی افادیت کے قائل ہیں، جو اس اور اس اثرات کا علم رکھتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ آگے آئیں، ذہنی انتشار کی پیدا کردہ ہولناک تاریکیوں میں اپنی تحقیق کے چراغ روشن کریں تاکہ سالکِ راہِ حقیقت بھٹک نہ جائے اور دامنِ خضر اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ا، ص ۳۸۴-۳۸۵)

سجادہ نشین کی ذمہ داریاں

کسی ولیٔ کامل کے سجادہ نشین کی ذمہ داریاں بڑی اہم اور متنوع قسم کی ہوتی ہیں۔ عقیدت مندوں کی اپنے شیخ کے جانشین سے بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ اپنے نجی اور اجتماعی، مقامی اور ملکی، دینی اور سیاسی جملہ معاملات میں اس سے راہنمائی کی توقع رکھتے ہیں۔ اس لئے صاحبِ سجادہ کیلئے ضروری ہے کہ علم و فضل میں بھی بلند پایہ رکھتا ہو اور اخلاق و کردار میں بھی مثالی حیثیت کا مالک ہو۔ اس لئے حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی صُوری یا معنوی اولاد میں سے جس فرزند کو وہ اپنی جانشینی کیلئے منتخب فرمائیں وہ قدیم اور جدید علوم کا ماہر ہو، مشہورِ عالم یونیورسٹیوں کا وہ فاضل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا اخلاق اور کردار اتنا بلند ہو کہ کوئی بدخواہ بھی انگشت نمائی نہ کرسکے۔ ایسے ہونہار سپوت ہی اس پُر فتن دور میں فقر و درویشی کی شمع کو روشن رکھ سکتے ہیں۔

(مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ا، ص ۳۷۸)

صوفیاء کے سوانح حیات کی اشاعت

عصرِ حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ و منصب کے حصول کیلئے دیوانہ وار مصروفِ عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ روحانیت کا رُخِ زیبا کیونکر مسخ ہو رہا ہے اور دل کی دنیا طمع و حرص اور حسد و بغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہو رہی ہے۔ اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کر دیتی تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے لیکن ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال و انحطاط کے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی، روحانی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی ملت کو اس گڑھے میں گرنے سے بچائیں۔ اس کا موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں۔ جہاں للّٰہیت، خلوص، قناعت، استغنا، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب و نظر کو روشنی بخش رہے ہوں اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ صوفیاء کرام کے سوانح حیات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۳۷۶-۳۷۷)

صوفیاء پر ایک غلط الزام کی تردید

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیت مقصدِ حیات ہے۔ وہ ہمیشہ کیلئے دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیاء کرام کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں کی بلکہ دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے شادیاں کیں۔ ان کے اہل و عیال تھے۔ ان کے ذاتی مکانات اور مزروعہ اراضی تھیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیت کا الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۳۶۹)

معترضینِ تصوف کا رد

میں ان مُدّعیانِ علم ودانش سے پوچھتا ہوں جو تصوف کو غیر اسلامی نظریات کا مجموعہ، عجمی افکار وتصورات کا مظہر کہتے ہوئے نہیں جھجکتے کہ کیا پوری یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، اس کے ہر حکم کی تعمیل، اس کی رضا کے حصول کیلئے سارے عالم سے روٹھنا اور اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت ومحبت اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ نہیں اور وہ شخص جو ان احوال سے بہرہ ور ہو، جو ہر ناشائستہ حرکت سے گریزاں اور تمام محامد ومحاسن کا پیکرِ رعنا ہو، کیا وہ اسلامی تعلیمات کا حسین وجمیل نمونہ نہیں؟ کیا ایسے پاک نہاد کی نکھری ہوئی شخصیت اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل نہیں؟ اگر آپ ان تعلیمات کو غیر اسلامی گردانتے ہیں اور ایسے نفوسِ قدسیہ کو عجمی تصورات وافکار کا نمائندہ کہنے پر بضد ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ اسلام کو اس کی عظمتوں اور رفعتوں سے محروم کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ آپ اپنی ملت کو ان نادرۂ روزگار اور فخر دھورو اعصار ہستیوں سے محروم کر دینا چاہتے ہیں جو اسلام کی آبرو اور انسانیت کیلئے وجہ شرف ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۳۸۷۔۳۸۸)

صوفیاء کے حوالے سے ایک اہم بات

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صوفیاء کی صفوں میں ایسے لوگ بھی در آئے ہیں جو بظاہر عابد وزاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل وہ اپنے زہد وعبادت کو حصولِ مال وجاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن مجھے یہ تو بتایئے انسانی زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں موجود نہیں۔ علماء، اطباء، قضاۃ، تُجار، صنعت کار سب جگہوں پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کیلئے ننگ وعار کا باعث ہیں لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور استباز لوگوں کی افادیت کم نہیں ہوتی تو جعلی صوفیوں کے ہتھکنڈوں سے بھی صوفیاء کرام کی عظمت پر حرف نہیں آسکتا۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۳۵۷)

چلہ

چلّہ چہل سے ہے۔ ہر چلہ چالیس دِن کا نہیں ہوتا۔ یہ ایک اصطلاح ہے۔ جن دِنوں میں انسان اکیلے بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہے۔ وہ دن چلہ کہلاتے ہیں۔ چلہ دس، بارہ دن یا اس سے بھی کم و بیش دونوں کا ہو سکتا ہے لیکن اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ صرف انہیں دِنوں میں شریعت کی پابندی ضروری ہے۔ صوفی کی پوری زندگی چلہ ہوا کرتی ہے۔ صوفی وہ ہوتا ہے جس کا دل کدورتوں سے پاک ہو۔ بغض، حسد، لالچ یہ تمام بیماریاں دل کی کدورتیں ہیں۔ صوفی کیلئے ضروری ہے کہ لوگوں کی محفل میں بیٹھنے کی بجائے اللہ کے ذکر میں مشغول ہو۔ مٹی کا ڈھیلا اور سونا اس کی نظر میں برابر ہوں۔ پیر پٹھان حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دریا میں سفر کر رہے تھے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں کیمیا پیش کیا اور عرض کی حضور لنگر کے اخراجات کے پیشِ نظر یہ چیز خدمتِ اقدس میں پیش کر رہا ہوں۔ جس دھات کو بھی اس سے مس کریں گے وہ سونا بن جائے گی۔ حضرت پیر پٹھان نے کیمیا اس کے ہاتھ سے لے لی اور دریا میں پھینک دی۔ وہ شخص تڑپ اُٹھا اور عرض کرنے لگا کہ اتنی نایاب اور قیمتی چیز بے وجہ ضائع کر دی۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانی میں ڈبو کر ارشاد فرمایا، جتنی دولت درکار ہو لے جاؤ۔ (مقالاتِ ضیاء الامت نمبر (ماہنامہ ضیائے حرم) ص ۲۰۷۔۲۰۸)

سالکِ راہِ حق کو درپیش خطرات

اے سالک راہِ حق! تیری منزل بڑی دُور ہے۔ اس کی راہ بڑی کٹھن ہے۔ اس میں حائل ہونے والی رکاوٹیں بڑی حوصلہ شکن ہیں۔ گہرے اور خوفناک غار منہ کھولے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تجھے منزل سے غافل کرنے کیلئے فردوس بداماں وادیاں ہیں جن کے درختوں کے سائے بڑے گھنے اور ٹھنڈے ہیں۔ جن میں کھلنے والے پھول بڑے خوبصورت اور خوشبودار ہیں۔ اس کا ہر منظر بڑا دلکش اور دلربا ہے۔ بھلا دیکھیں تیری ہمت کو کہ تو کس طرح کانٹوں سے اُلجھتا ہوا، چٹانوں کو روندتا ہوا، پہاڑوں کو پھلانگتا ہوا اور ان جنت نظیر وادیوں، دلکش مناظر سے دامن بچاتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی راحت نے تجھے اپنی منزل سے غافل کر دیا یا کسی ہوشربا حادثہ کی وجہ سے تو دل برداشتہ ہو گیا تو تیرا نام اس منزل کے مسافروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ یہاں تو ایک لحہ کی غفلت بھی قیامت برپا کر دیتی ہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۲، ص ۳۶۰)

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ منزل دور شد

وصال خداوندی توفیقِ خداوندی سے ہی ممکن ہے

بندے اور اس کے مولیٰ کے درمیان جو غیر متناہی بُعد اور دُوری ہے، وہ بندے کی کاوش سے کب طے ہو سکتی ہے۔ انسان کی برق رفتاری سب تھک ہار کر رہ جاتی ہے۔ہاں جب وہ کرم فرماتا ہے اور اس کی توفیق آگے بڑھ کر دستگیری کرتی ہے توسب مسافتیں سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور چشم زدن میں انسان شاہدِ حقیقی کے جلووں سے لطف اندوز لگتا ہے۔ حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام کا ارشاد ہے کہ قلب کا اصل مقام عرش ہے۔ اگر انسان اپنی عبادت وریاضت سے وہاں پہنچنا چاہے تواسے پچاس ہزار سال سے زیادہ عرصہ درکار ہے (اور کون ایسا ہے جس کو اتنی عمر ملی ہو) لیکن مرشد کامل کے جذب اور اس کی توجہ سے نگاہِ قدرت سالک کو چُن لیتی ہے اور وہ قلیل عرصہ میں وہاں تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔

لکن ذلك العروج انما یحصل بجذب الشیخ علی سبیل الاجتباء قال العارف الرومی قدس سرہ

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ رہ
سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

یعنی حریمِ ذات کی بلندیوں تک رسائی اور عروج اپنے شیخ کی توجہ اور جذب سے نصیب ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ نگاہِ رحمت اسے چُن لیتی ہے اور اسے واصل بحق کردیتی ہے۔عارف رومی فرماتے ہیں کہ "زاہد تو ایک رات میں ایک دن کی مسافت طے کرتا ہے لیکن عارف کی سیر ہر آن بادشاہِ حقیقی کے تخت تک ہوتی ہے"۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۱۰۶)

نزولِ رحمتِ خداوندی بوقتِ سحر

سحری کا وقت کس قدر بابرکت ہے اور جو لوگ اللہ کی جناب میں اس وقت حاضر ہوکر دامنِ طلب پھیلاتے ہیں ان پر کیسی کیسی نوازشات کی جاتی ہیں اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہیں یہ توفیق نصیب ہوئی ہو۔حافظ شیرازی کہتے ہیں ۔

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یُمنِ دعائے شب و وردِ سحری بود

اور حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا ارشاد بھی سنئے ۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

(ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۶۳۰)

مرشد کا مرید کو وظیفہ تلقین کرنا

مرشد اپنے مرید کو ایسا وظیفہ تلقین کرتا ہے جس سے دل میں گداز پیدا ہو۔ دل کی سختی دور ہو جائے۔ انسان اپنی عاجزی اور اپنے محبوب حقیقی کی عظمت اور جلالتِ شان سے پوری طرح آگاہ ہو جائے تاکہ بارگاہِ صمدیت سے جب انوار و تجلیات، انعامات و احسانات کی بارش برسے تو اسے وہ اپنا کمال یا استحقاق نہ سمجھے بلکہ اسے محض اپنے مولائے کرم کا لطف و احسان یقین کرے۔ یہی کمالِ بندگی ہے۔ یہی معراجِ عبدیت ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں سالک راہ کو اِسی کی تلقین کی گئی ہے۔

(ضیاء القرآن، جلد۵، ص۱۱۹۔۱۲۰)

کمالِ عجز و نیاز

جب تک دل میں کمال عجز و نیاز پیدا نہ ہو، نہ ایمان کا لطف آتا ہے نہ عبادات میں مزہ آتا ہے۔ جب تک دل اس احساس سے لبریز نہ ہو کہ کہاں خالقِ ارض و سماء اور کہاں یہ بندۂ حقیر و بے نوا، اس کی شانِ کبریائی اور اس کی عظمت و جلال پر جب نگاہیں جم کر رہ جاتی ہیں اس وقت نہ اپنی ذات نظر آتی ہے نہ اپنی حسنات۔ اس وقت دل میں دردِ محبت اُٹھتا ہے۔ اس وقت آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ یہی وہ گھڑی ہوتی ہے جب اس پر "احسان" کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص۱۱۹)

وقت کی اہمیت

زندگی کے اس کاروبار میں ہمارا سرمایہ وقت ہے اور اس سے بیش قیمت اور عزیز القدر کوئی دوسرا سرمایہ نہیں۔ جو لوگ اس کو بے مقصد ضائع کرتے ہیں، عیش و عشرت میں برباد کرتے ہیں، باقیاتِ صالحات کے بجائے زوال پذیر فانی چیزوں کے حصول میں صَرف کرتے ہیں، وہ کاروبارِ زیست سے نفع کیا خاک حاصل کریں گے انہوں نے تو اپنی پونجی ہی ڈبو دی ہے۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نفع کی بجائے نقصان اٹھایا اور نقد وقت بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ کاروبارِ زیست کو از سر نو شروع کرنے کا امکان بھی ختم ہو گیا۔ آپ نے کبھی اس مسافر کی حالتِ زار دیکھی ہے جو منزل کی طرف پیٹھ کر کے بھاگ رہا ہو۔ سورج ڈوبنے والا ہو، رات کی تاریکی چار سُو پھیل رہی ہو۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۶۵۴)

وقت کا صحیح استعمال

آج ہم یہ بہانہ کرتے ہیں کہ ہمیں فرصت نہیں ملتی، کیا کریں وقت نہیں ملتا کہ خدا تعالیٰ کے حضور سر نیاز جھکا سکیں۔ افسوس ہے کہ دنیا کے ہر کام کیلئے تیرے پاس وقت ہے لیکن اپنے خالق کے سامنے جھکنے کیلئے تیرے پاس وقت نہیں۔ خدا کی نافرمانی کیلئے تیرے وقت کی ساری گھڑیاں فارغ ہیں۔ اگر وقت نہیں تو صرف اس کی تابعداری کیلئے نہیں، حیرت ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی مصروف ہو سکتا ہے۔ مملکتِ اسلامیہ کا خلیفہ اور سربراہ راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں پہرہ دیتا۔ پچھلی رات اپنے خالق کے حضور رو رو کر اس کی ابدی رحمتوں کے خزانے لوٹتا۔ دن کو مملکت کا کاروبار، جھگڑوں اور مقدمات کے فیصلے، فوج اور عدلیہ کی نگرانی، وسیع و عریض مملکت کا بوجھ، رعایا کی خبر گیری، لڑائیوں، مہمات اور جنگی اسکیموں کی تیاری وغیرہ کتنے اُمور تھے جن سے مردِ واحد کو واسطہ تھا۔ لیکن کیا دنیا کا کوئی انسان یہ بتا سکتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ پنجگانہ تو کجا ایک طرف ان کی نمازِ تہجد بھی قضا ہوئی ہو۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم خدا کی تابعداری کو ثانوی حیثیت بھی نہیں دیتے۔ اوّلیت ان اُمور کو دیتے ہیں جو ہماری دنیا اور ذاتی مفاد سے متعلق ہوں لیکن دوستو دنیا کی ہر چیز مل سکتی ہے مگر گیا ہوا سانس واپس نہیں آسکتا۔ یہ کوہِ نُور ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ بزرگوں کے نزدیک "جو دم غافل سو دم کافر" والا معاملہ ہے۔ کاش ہمارے دل میں یہ تصور پختہ ہو جائے کہ ہم نے ایک روز اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور پھر ان اعمال کے مطابق نہ ختم ہونے والی زندگی گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے نہ کرے، جن کی آنکھوں کا نور وہ سلب کر لیا کرتا ہے۔ خدا ان لوگوں میں سے کرے جو چٹائی پر بیٹھے ہوتے ہیں، روکھی سوکھی کھاتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو "سلطانِ زمان" سے کم نہیں سمجھتے۔ جن کیلئے جنت کی حوریں ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لیے چشم براہ ہوں گی۔ اور جنت کی بہاریں ان کی راہ تک رہی ہوں گی۔

خدا تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں کرے۔ آمین ثم آمین (ابرِ کرم، ص ۷۷۔۷۹)

وقت کی قدر و قیمت

یہ زندگی کے سانس، زندگی کی یہ گھڑیاں اتنی بے دردی سے ضائع نہ کرو۔ ایک روپیہ اگر تمہارا گر پڑا تو سارا دن تمہارا بے چینی کی نذر ہو جاتا ہے۔ کوئی مال ضائع ہو جائے تو تمہارے کئی مہینے اضطراب اور پریشانی کے چکر میں گزر جاتے ہیں۔ اگر سارا دن، ساری رات، پورا ہفتہ غفلت میں گزر جائے تو تمہیں کوئی ملال نہیں ہوتا کہ کتنا گنج گراں مایہ تجھے ربّ نے دیا تھا اور تُو نے اسے ضائع کر دیا۔

دنیا کی جتنی نعمتیں ہیں، ان سب کا مولیٰ کریم نے بدل بنایا ہے۔ اگر آپ کی بھینس ہے، بڑا دودھ دیتی ہے، بڑی خوبصورت ہے۔ اگر خدانخواستہ مر جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے بہتر بھینس دے سکتا ہے۔ اگر کوئی تیری قیمتی کار ہے۔ اس سے بھی بہتر، اس سے بھی خوبصورت کار تجھے بازار سے مل سکتی ہے۔ اگر تیرا قیمتی مکان ہے جو لاکھوں روپے خرچ کرکے تو نے بنایا ہے، اگر سیلاب کی نذر ہو جائے، جل کر راکھ ہو جائے، اس سے بہتر سنگ مرمر کا مکان مولیٰ کریم تجھے دے سکتا ہے۔

دنیا کی جتنی نعمتیں آپ شمار کرتے جائیں، مولیٰ کریم نے ان کا بدل بنایا ہے۔ اس سے بہتر نعمت مولیٰ کریم تجھے عطا کر سکتا ہے لیکن وہ نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں اگرچہ مولائے پاک اس کا بدل بنانے پر قادر ہے لیکن اس نے اس کے بدل کا تصور ہی انسان کو نہیں دیا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ جس کا بدل ہو وہ زیادہ قیمتی ہوتی ہے یا جس کا کوئی بدل نہ ہو وہ زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ وہی زیادہ قیمتی ہوتی ہے نا جس کا کوئی بدل نہ ہو۔ دنیا کی ساری نعمتوں کا بدل ہے لیکن ایک نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ وہ ہے تیرا سانس جو تُو لیتا ہے اور غفلت میں اس کو ضائع کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ جو سانس لے لیا جائے پھر کروڑوں روپیہ بھی خرچ کر لیا جائے کیا وہ واپس آسکتا ہے؟ اتنی زندگی تو نے بسر کر لی ہے کیا کسی قیمت اور معاوضے پر اس کو تو لوٹا سکتا ہے؟ زندگی کا جو دن اور رات تو نے بسر کر لی ہے، تو ہزار التجائیں کرتا رہے۔ ہزار سال بھی کوشش کرتا رہے کیا وہ پھر واپس آسکتا ہے؟ یہ زندگی کا سانس وہ گنج گرانمایہ ہے، وہ بیش قیمت خزانہ ہے جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے کوئی بدل بنایا ہی نہیں۔ تو جس بے دردی سے ہم یہ قیمتی چیز ضائع کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو یہی سبق سکھایا کہ تمہارا سانس اپنے رب کے ذکر کے بغیر اپنے رب کی یاد کے بغیر نہ آئے۔ اگر وہ تعلق قائم ہو جائے تو پھر موت کا ہاتھ تمہارے دامن کو چھو نہیں سکتا۔ (ضیائے حرم،

اپریل ۲۰۰۰ء۔ ص ۴۹-۵۰)

مال جمع کرنے کی حرص

جو لوگ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں ان کو بڑی اہم اور ضروری چیزیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ دولت سمیٹنے کی خواہش جنون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت انہیں نہ خدا یاد رہتا ہے، نہ موت یاد آتی ہے اور نہ قبر کا وہ تاریک گڑھا جس میں انہوں نے ایک نہ ایک دن آکر فروکش ہونا ہے۔ بس ایک ہی خیال میں مگن رہتے ہیں کہ جیسے بن پڑے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لی جائے۔ خدا ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ قوم سے خیانت، اپنے ملک سے غداری، اپنے فرائض کی ادائیگی میں بد دیانتی کے جرائم سرزد ہوتے ہیں تو ہوتے رہا کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے بد نصیب لوگ خوفِ خدا اور آخرت کو ہی بھول جاتے بلکہ وہ پرلے درجے کے خود فراموش بھی ہوتے ہیں۔ اپنی ذات، اپنی آبرو، اپنی شہرت سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اکثر یہ بازی ہار جاتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۶۴۷)

حرصِ دولت کی تباہ کاریاں

مال و دولت سے انسان کی محبت اظہر من الشمس ہے۔ گناہوں کا یہ سیل بے پناہ، مظالم کی یہ آندھیاں، مزدور اور سرمایہ داروں کے درمیان یہ خونریز تصادم، سب کے پس پردہ دولت کی یہی بے پناہ محبت اور لالچ کار فرما ہے۔ دوست دوست کو لوٹ رہا ہے، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، انسان انسان کے درپے آزار ہے۔ یہ سب کچھ دولت کے لالچ کے باعث ہو رہا ہے۔ تمام تعلقات، تمام دوستیاں، تمام رشتہ داریاں دولت کے طلسم ہوشربا کے سامنے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انسان کا عمل اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس کو جتنی ہوس سیم وزر کی ہے، اس کے دل میں جتنی چاہت دولت وثروت کی ہے اتنی اور کسی چیز کی نہیں۔ اس کے حصول کیلئے جو اَن تھک محنتیں کرتا ہے، اپنے وطن کو چھوڑتا ہے اپنی آسائش سے دستکش ہوتا ہے اور بسا اوقات اپنی عزت و آبرو کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور اپنی زندگی کو طرح طرح کے خطرات سے دوچار کر دیتا ہے، اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۶۳۹)

سچے عاشقانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

جو لوگ راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہیں لاتے، آگے بڑھ کر اس رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ یہی نفوسِ قدسیہ فخرِ روزگار ہیں اور انسانیت کی آبرو ہیں۔ کائنات کی کوئی چیز ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان کا دل پاک، نگاہیں پاک، نیت پاک، عزم بلند، شوق فراواں اور منزل اُونچی اتنی اونچی کہ کوئی نوری فرشتہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔ بہشت کے سدا بہار باغات انہی کیلئے چشم براہ ہیں، وہاں بہنے والی ندیاں، انہی کے شوقِ دید میں گرمِ سیر ہیں۔ وہاں کا ہر پھول، ہر کلی، ان کی محبت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ وہ وہاں رہیں گے، تا ابد وہاں رہیں گے، جنت کی ساری رونقیں ان کے دم قدم سے ہیں، یہ وہاں نہ رہیں تو شگفتگیاں، اُداسیوں میں بدل جائیں، بہاریں بھی روٹھ جائیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۱۲۸)

قلم کا فیضان

اس (اللہ تعالیٰ) کی شانِ کریمی کا ایک جلوہ یہ ہے کہ اس نے قلم کو تعلیم کا واسطہ بنا دیا۔ علم کی نشر و اشاعت میں قلم کا جو حصہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ قدیم زمانے کے علماء و فضلاء کے علوم کو اگر قلم کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر تحریر نہ کر دیا جاتا تو صدہا سال بعد آج ہم ان سے کیونکر استفادہ کر سکتے۔ اگر قلم کا واسطہ نہ ہوتا تو آج زمین کے دور دراز گوشوں میں بسنے والے کیونکر مستفید ہو سکتے۔ یہ قلم ہی کی برکت ہے کہ علم کا کارواں آج ان رفعتوں پر خیمہ زن ہے اور مزید بلندیوں کو مسخر کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے اور جب تک قلم کا فیض جاری رہے گا علوم و فنون میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہے گا۔

وہ جس طرح قلم کے ذریعہ سے علوم و معارف کی دولت سے اپنے بندوں کو مالا مال کر رہا ہے وہ جب چاہتا ہے تو قلم کے سوا بھی جس کے سینے کو چاہے انوار و تجلیات جلوہ گاہ بنا دیتا ہے اور بغیر کسی واسطہ کے اس کا دل علم کی روشنی سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۶۱۲۔۶۱۳)

اختلافِ اعمال

جو انسان اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنالیتا ہے۔ اس کیلئے اچھے کام خواہ کتنے کٹھن اور مشکل ہوں آسان ہوجاتے ہیں۔ لوگوں کیلئے تو اطاعت اور تقویٰ کا راستہ بڑا دشوار گزار اور خار دار ہوتا ہے لیکن وہ شخص اس پر یوں خراماں خراماں گزر جاتا ہے جیسے اس کے راستہ میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھا ہوا ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ برائیوں کے خوگر ہوجاتے ہیں، وہ ان گناہوں میں ایسی کشش اور لذت محسوس کرتے ہیں، جو درحقیقت ان کی بربادی، بدنامی اور رُسوائی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ ایک شراب کے گھونٹ کیلئے بڑی دریادلی سے اپنی دولت لٹاتے رہتے ہیں۔ جوئے کی ایک بازی پر وہ اپنی بیگمات کی عصمتوں کو داؤ پر لگانے سے باز نہیں آتے۔ اپنے سگے بھائی کے قتل پر بھی جھجک محسوس ہوتی ہے نہ خجالت۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص ۵۷۲)

اعمالِ حسنہ کی برکات

جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھتا، اپنے آپ کو اخلاقِ حسنہ سے آراستہ کرتا ہے اس کی فطرت سلیمہ نشوونما پاتی ہے۔ اس کی قوت وتوانائی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اندر ایسا عزم اور ہمت محسوس کرتا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل کام کرنے کیلئے آمادہ ہوجاتا ہے۔ راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو پرکاہ کی وقعت نہیں دیتا۔ نہایت ثابت قدمی سے نیکی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ اس کی زندگی کا دامن اعمالِ حسنہ اور روشن کارناموں سے لبریز ہوجاتا ہے۔ اس کی روحانی قوتیں بیدار ہوجاتی ہیں اور آخرکار وہ اس منزل پر فائز ہوجاتا ہے جس کے بارے میں حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا ہے "اکون بصره الذی یبصر به" میں اس کی بینائی بن جاتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے۔ جب اس کی ظاہری زندگی رحمتوں اور برکتوں کا مخزن و منبع ہوتی تو آخرت میں اس کی جو عزت افزائی ہوگی اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد۵، ص ۵۷۳)

بچوں کی تربیت اور والدین کی ذمہ داری

دینی تعلیم اور علمی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہو جانا چاہئے۔ اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تادم واپسیں وہ یاد رہتا ہے۔ جس کام کی عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے۔ وہ فطرت ثانیہ بن جاتی ہے جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعتِ خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عموماً راہِ حق سے بھٹک جایا کرتی ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو حکم دیا "مروا اولادکم بالصلوۃ و ھم ابناء سبع سنین و اضربوا ھم علیھا و ھم ابناء عشر و فرقوا بینھم فی المضاجعہ" جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر پڑھاؤ اور ان کی خوابگاہیں جدا کر دو۔

آج جبکہ درس گاہوں، کالج اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم و تربیت کا کوئی موثر اور حکیمانہ اہتمام نہیں، بلکہ یہ درس گاہیں لادینی نظریات اور ملحدانہ افکار کی رزم گاہیں بن چکی ہیں، جب معاشرے کی وہ حس تیزی سے کند ہوتی جا رہی ہے جو کسی نازیبا حرکت پر آتش زیر پا ہو جایا کرتی تھی اور ایسا کرنے والے کے خلاف احتجاج کی ایک تیز و تند لہر بن کر ابھرتی تھی، آج جب سینما اور ٹی۔ وی کے مخربِ اخلاق پروگرام رہی سہی کسر نکال دینے کے درپے ہیں، اس وجہ سے ماں باپ کی ذمہ داریاں دوچند ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں اور اس سے بھی اہم یہ کہ اپنے حسنِ عمل اور اچھے نمونے سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کریں۔ اگر ہماری بے حسی کے باعث لادینی کی بپھری ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا مورچہ بھی سر کر لیا تو پھر آنے والی نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۳۰۱)

ہم بھی عجیب ہیں

ہماری حالت بھی عجیب ہے۔ عام حالات میں تو احکام شرعی کی ہم کچھ نہ کچھ پاسداری کرتے ہیں لیکن جب ہم کسی مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو اس سے نکلنے کیلئے جائز و ناجائز حرکات کا ارتکاب میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ غربت و افلاس کی گرفت سخت ہو جائے تو رشوت، چوری، لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کسی مقدمہ میں پھنس جائیں تو اس میں کامیاب ہونے کیلئے جھوٹی گواہی سے کام چلا لیتے ہیں۔ دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو جھوٹ اور مکر و فریب سے گلو خلاصی کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ در حقیقت یہ سب نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ ایسا کرنے سے مشکلیں گھٹتی نہیں، بڑھتی ہیں۔ مطلع حیات مزید ابر آلود ہو جاتا ہے، ناکامیاں اور رُسوائیاں انسان کا مقدر بن جایا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم نے مشکلات سے نجات پانے اور مصائب کے نرغے سے رہائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اپنے دل میں خوفِ خدا پیدا کرو۔ جن کاموں سے اس نے روکا ہے بھولے سے بھی ان کے قریب مت پھٹکو۔ جن احکام کی بجا آوری کا اس نے حکم دیا ہے ان کی پوری طرح پابندی کرو۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں صدقِ دل سے مشغول ہو جاؤ۔ تم دیکھو گے کہ اس کا دستِ کرم کس طرح آگے بڑھ کر تمہاری چارہ سازی کرتا ہے۔ اس کی چشم رحمت کس طرح تمہاری بگڑی بناتی ہے۔ وہ اپنے خزانوں کے منہ تمہارے لئے کس طرح کھول دیتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۲۷۸)

یوم التغابن

وہ لوگ جو تلاشِ زر میں آج دیوانے بنے پھرتے ہیں، حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتے، جو لوگ اپنے کارخانوں کی اونچی اونچی چمنیوں سے سیاہ دھواں نکلتا دیکھ کر پھولے نہیں سماتے۔ جو آج اپنے کروفر میں اتنے مست ہیں کہ انہیں راہِ حق پر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں، انہیں اگر فرصت ملے تو "یَوْمُ التَّغَابُنِ" (گھاٹے کے ظہور کا دن) کا بھی تصور کریں جب انہیں خالق کائنات کے حضور لا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت ان کی آنکھ کھلے گی اور انہیں اپنی حماقت کا احساس ہو گا۔ اس روز انہیں پتا چلے گا کہ جس کاروبار کو بڑا نفع بخش سمجھ رہے تھے، وہ در حقیقت سراسر گھاٹے کا کاروبار تھا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۲۶۵)

معاشرے میں عدل کا قیام

کسی معاشرے میں عدل کے قیام کی یہی صورت ہے کہ حقوق اللہ بھی پوری طرح ادا کیے جائیں یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا جائے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کی عبادت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ زندگی گزارنے کیلئے جو اصول اس نے مقرر فرمائے ہیں ان کی بجا آوری میں غفلت نہ برتی جائے۔ اسی طرح حقوق العباد کا بھی پوری طرح لحاظ رکھا جائے۔ کسی کا حق تلف نہ کیا جائے۔ کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر عدل و انصاف کو بروئے کار لایا جائے اور اگر باہمی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ اس میزان یعنی عقل سلیم کے مطابق کیا جائے، جسے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی گئی ہو اور اگر حق و انصاف کے سامنے کوئی شخص سر تسلیم خم نہیں کرتا، روشن اور واضح دلائل و براہین کے بعد بھی باطل سے چمٹا رہتا ہے اور حق کو نیچا دکھانے کیلئے کوشاں رہتا ہے تو اس وقت اس کی سرکوبی کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسل کو لوہے کا ڈنڈا بھی عطا فرمایا ہے جس کی ایک ضرب اچھے اچھے بد دماغوں کا دماغ درست کر سکتی ہے۔ اللہ کا رسول صرف حق سنانے کیلئے نہیں آتا بلکہ حق کو پھیلانا اور اس کی بالا دستی کو قائم کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" کا وہ مظہر بن کر آتا ہے۔ ابتداء میں وہ مخالفین کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے۔ شب و روز اس کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جائے۔ حق کی حقانیت میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ اس کیلئے اسے دارِ ارقم میں بھی ٹھہرنا پڑتا ہے۔ شعب ابی طالب میں بھی کئی سال بسر کرنے پڑتے ہیں۔ طائف کی سڑکوں پر بھی لوگوں کی سنگ باری کا منظر دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن جب وہ حق کو الم نشرح کرنے کا فریضہ انجام دے چکتا ہے اور اتمام حجت کر چکتا ہے تو پھر بدر، خندق، خیبر کے معرکوں میں وہ اپنی تلوار کو بھی بے نیام کرتا ہے تاکہ بت و حرم لوگوں کا سر غرور خاک میں ملائے اور حق کا بول بالا کرے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۱۲۵۔۱۲۶)

موت بھی نعمت ہے

زندگی نعمت ہے تو فنا اور موت بھی نعمت ہے۔ ان سے پوچھیے جو کسی اذیت ناک بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ رات کو قرار ہے نہ دن کو چین۔ ہر وقت درد سے تڑپتے رہتے ہیں۔ ان بوڑھوں سے پوچھیے جن کی لمبی عمر ان کیلئے وبالِ جان بن گئی۔ نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ زبان بولتی ہے، نہ ہاتھ ہلتے ہیں، نہ ٹانگیں چلتی ہیں۔ معدہ کمزور، جگر بے کار اور دل بیمار ہے، دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ انسان اپنے اہل و عیال کیلئے بھی ایک ناپسندیدہ اور ناقابلِ برداشت بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا ان کیلئے موت کی آغوش اُمید افزاء اور راحت بخش نہیں۔ نیز موت تو وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان مصائب و آلام کی دنیا سے چھٹکارا حاصل کر کے عالمِ آخرت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اہلِ محبت تو کہتے ہیں:۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

"کہ موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے۔"

(ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۷۳)

اپنی لا پرواہی

کوئی زیرک قیمتی جواہرات رکھ کر اپنے گھر کے دروازے چوروں کیلئے نہیں کھولتا۔ جو لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کے گھروں کی خواتین، ان کی بچیاں، بہنیں، پختہ کردار کی مالک ہیں، وہ اگرچہ قیمتی اور بھڑکیلے ملبوسات پہن کر بے پردہ گھومتی رہیں تو ان کی عزت و آبرو پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ انہیں ہم نرم سے نرم الفاظ میں "بھولا" کہہ سکتے ہیں۔ اور ان کا یہ بھولا پن انہیں ایک روز ایسے گڑھے میں پھینک دے گا جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔ فطرتِ انسانی کے حیوانی تقاضوں کی شدت سے ان کی دانستہ چشم پوشی انہیں ایسے بھیانک نتائج سے دوچار کر دے گی کہ ان کا قلبی سکون برباد اور ذہنی توازن بگڑ کر رہ جائے گا۔ اس وقت وہ پچھتائیں گے جب چڑیاں کھیت چگ گئی ہوں گی۔ اس وقت وہ زار زار روئیں گے لیکن ان کو اپنے درد کا درماں نہیں ملے گا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۴۵)

خونی انقلاب

آج یورپ کے اس مشینی دور نے احساسِ مروت کو بھی کچل کر رکھ دیا ہے۔ دولت کی والہانہ محبت ان کو کس مقام پر لا کھڑا کر دیتی ہے۔ وہ کتنے حجت باز اور حیلہ ساز بن جاتے ہیں۔ جو سیدھی اور صاف بات انہیں کہی جاتی ہے اس کا کتنا اُلٹا جواب دیتے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ نہ تو خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی انہیں توفیق نصیب ہوتی ہے۔ نہ اپنے بھائیوں کی خستہ حالی اور تنگ دستی پر ان کا دل پسیجتا ہے۔ ایسی بیمار ذہنیت کے باعث ہی دنیا میں خونی انقلاب آئے۔ کئی شاہی خاندان خون کے تلاطم میں بہہ گئے۔ جھونپڑوں میں بسنے والوں نے تنگ آکر محلات اور اُمراء کی حویلیوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا۔ اس کے باوجود دولت کی محبت کا نشہ کم نہیں ہوا۔ وہی لوگ جو کل سرمایہ داری کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے اُٹھے تھے اور اس بے رحم ذہنیت سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر دیا تھا۔ آج جب اقتدار اور دولت کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں آگئیں، انہیں وہ نعرہ بھی فراموش ہو گیا۔ انہوں نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح لکشمی دیوی کی پوجا شروع کر دی اور سانپ بن کر خزانوں پر بیٹھ گئے۔ مزدوروں محنت کشوں اور کسانوں وغیرہ کے ساتھ انہوں نے وہی بے رحمانہ سلوک شروع کر دیا۔ ان خونی انقلابات کی تاریخ کا جب انسان مطالعہ کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے محاسبے کا یقین دل میں پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک جور و ستم کو مٹانے کیلئے جو کوشش کی جائے گی اس سے جور و ستم کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گا۔ مسندِ اقتدار پر فائز ہونے کے بعد اور ملکی خزانوں پر تصرف کا مکمل اختیار رکھنے کے باوجود وہی لوگ دنیا کی محبت سے اپنا دامن بچا سکتے ہیں جنہیں فیضِ نبوت سے کچھ حصہ رحمت ہوتا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۱۸۱۔۱۸۲)

اولیاء کرام کی خدمت میں حاضری شرک نہیں

بعض صاحبان حصولِ دعاء کیلئے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہونے والوں پر بڑی بے رحمی سے شرک کا الزام لگاتے ہیں، وہ خود ہی انصاف فرمائیں کہ جب کوئی مسلمان کسی ولی یا بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور دعا کیلئے عرض کرتا ہے تو کیا وہ ان کی عبادت کر رہا ہوتا ہے (العیاذ باللہ) اگر صرف طلبِ دعا کیلئے بھی کسی کے پاس جانا عبادت اور شرک ہے تو ان صاحبان کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو حضور سرورِ عالم رحمتِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس و اطہر میں کبھی بارش کے نزول کیلئے، کبھی بارش کے رُکنے کیلئے، کبھی بیماری سے شفایاب ہونے کیلئے، کبھی دیگر مقاصد کیلئے حاضر ہوتے اور دعا کیلئے عرض کرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کیلئے دستِ مبارک بارگاہِ الٰہی میں اُٹھاتے تو مشکلیں آسان ہو جاتیں۔ لاعلاج مریض شفایاب ہو جاتے۔ طویل خشک سالی کے بعد آنِ واحد میں گھنگھور گھٹائیں برسنے لگتیں اور برستے ہی چلی جاتیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس بات پر محکم یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کفر ہے، گمراہی ہے اور ابدی عذاب کا موجب ہے۔ اور ان بے رحم مفتیوں سے بھی مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ شمعِ توحید کے پروانوں پر شرک کی جھوٹی تہمت لگانے کا شغل ترک کریں اور کوئی مفید مشغلہ اختیار فرمائیں جس سے انہیں بھی فائدہ ہو اور ان کی قوم کا بھی بھلا ہو۔ (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۲۵۹)

حق فتح یاب ہے

اگر دجل وفریب کے باعث باطل کو چند روزہ فروغ نصیب ہو اور اہل حق کی غفلت اور فرض ناشناسی کی وجہ سے حق کمزور اور ضعیف ہو جائے تو اس سے نہ باطل حق ہو جاتا ہے اور نہ حق، باطل۔ آج کل کیمونزم کو جو عروج حاصل ہو رہا ہے، اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ اباحیت اور فسق وفجور کو جو روز افزوں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، یہ کیمونزم کے حق اور اباحیت اور اخلاق باختگی کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح بین الاقوامی سازشوں سے مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کیلئے مرزا کی جھوٹی نبوت کو اگر چند لالچی یا مہمل لوگ تسلیم کر لیں تو اس سے مرزا کی نبوت کی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب فتنہ وفساد کی آگ بجھ جائے گی اور اس کو ماننے والے اس پر پھٹکار بھیجیں گے اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

(ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۳۷۹)

روح فرسا منظر

ذرا اپنے ارد گرد نگاہ ڈالیے۔ بڑے بڑے اولیاء کاملین کی اولاد دین سے کس قدر دور اور احکام شریعت کی پابندی سے کس طرح آزاد ہے۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ جن کے آباؤ اجداد کی ساری عمریں اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گزریں، جن کے دل جلالِ خداوندی سے کانپتے ہوئے اور جن کی راتیں جمالِ الٰہی کی دید کے شوق میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے گزرتی تھیں، جن کا ایک قدم بھی جادۂ شریعت سے ہٹا ہوا نہ تھا، جن کا علم، جن کا عرفان، جن کا اثر ورسوخ اور جن کی دولت محض احیائے دین حنیف کیلئے وقف تھی، جن کی کتابِ زندگی کا ہر ورق روحانیت کے انوار سے منور تھا۔ ان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرنے والے فسق وفجور کی رنگینیوں میں کیوں کر کھو کر رہ گئے ہیں۔ اطاعت وانقیاد کی راہ چھوڑ کر انہوں نے سرکشی اور نافرمانی کا راستہ کیوں اختیار کر لیا ہے۔ وہ اس آیت طیبہ "فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا" میں کیوں غور نہیں کرتے۔ ان کی غفلت کیشیوں کے باعث ان کے اسلاف کرام کے حق میں گستاخ زبانیں کھلنے لگی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی بد اعمالیوں سے ان عقائدِ حقہ کو زک پہنچ رہی ہے جو ان کے آباؤ اجداد کے عقائد تھے۔ ان کی بدکاریوں کے شور وشغب میں کوئی ان علمی دلائل پر غور کرنے کیلئے بھی آمادہ نہیں۔ اس پیہم بے راہ روی سے وہ صرف اپنی لٹیا ہی ڈبو نہیں رہے بلکہ ساری قوم کا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔ خدارا اپنی اس غلط روش سے باز آجاؤ۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۹۰)

جمال حق کی کرم فرمائی

دنیا بھی بڑی میٹھی ہے۔ دولت و ثروت میں بھی بلا کی کشش ہے۔ اس کا جاہ و جلال دل موہ لینے والا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک ہے جب تک حسنِ ازل آنکھوں سے مستور ہو۔ جب جمالِ حق کرم فرما ہوتا ہے۔ جب انوارِ الٰہی کے مشاہدہ سے چشمِ دل منور ہوتی ہے۔ جب ساقی کریم عشق و محبت کا ایک جام پلا دیتا ہے تو پھر دنیا اپنی تمام حشمتوں اور دلربائیوں کے باوصف، حقیر و بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ قلمرو عشق و محبت کے تاجدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ میں یہی بادۂ لالہ فام اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پلایا تھا۔ حق کی انہی دل آویزیوں کو ان کے سامنے بے نقاب کیا تھا۔ ان کے قلب و نظر کو اسی کی رعنائیوں سے آشنا کیا تھا۔ پھر انہوں نے ایثار و فدائیت کے میدانوں میں جو جو کارنامے انجام دیئے کاروانِ انسانیت کیلئے وہ آج بھی روشنی کے بلند مینار ہیں۔

(ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۱۲۲۔ ۱۲۳)

حسنِ عمل کی برکات

جو بھی عملِ صالح کرے گا، اس سے قطع نظر کہ اس کی رگوں میں کس کا خون ہے، وہ کس قبیلہ کا فرد ہے۔ اس کی رنگت گوری ہے یا کالی، وہ دولت مند ہے یا مفلس۔ وہ کس ملک کا باشندہ ہے، وہ مرد ہے یا عورت۔ جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا، اس کی مساعی کو ڈھانپ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی جدوجہد رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ اس کے اعمالِ حسنہ کو شرفِ قبولیت بخشا جائے گا۔ نیکی کرنے والے کو ضرور اس کا اجر ملے گا، صرف ایک شرط ہے کہ وہ مومن ہو، اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر محکم یقین رکھتا ہو۔ اگر یہ نہیں تو اس کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں ہو گا۔ خواہ وہ کتنا نفع بخش اور عمدہ ہو کیونکہ وہ باغی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ملک میں رہ کر اس کی الوہیت اور اس کی سلطانی کا منکر ہے اور دنیا کے کسی ملک کے قانون اور آئین میں باغی کیلئے کوئی گنجائش نہیں خواہ وہ اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور انکشافات و ایجادات میں یگانۂ روزگار ہی کیوں نہ ہو۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۱۸۶)

فانی زندگی اور باقی زندگی

یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بدکار ہوتے ہوئے عزت و آبرو کی زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرا نیک، مخلص اور اپنی قوم کا بلکہ نوعِ انسانی کا سچا بہی خواہ ہونے کے باوجود عمر بھر طرح طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر موت ہی انسانی زندگی کے قافلہ کی آخری منزل ہوتی تو اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ انسان جو نیک اور مخلص ہے، وہ عمر بھر کانٹوں پر لوٹتا رہے اور جو بد معاش اور سفاک ہے، وہ دادِ عیش دیتا رہے۔ اس صورت میں ان اخلاقی قدروں کو جن سے انسانی عظمت وابستہ ہے کون اپنائے گا بلکہ کون انہیں اچھا جانے گا؟ وہ جانباز جو اپنی جوانی اور شباب کی رنگینیوں کو اپنی قوم اور وطن کی آزادی پر قربان کر دیتا ہے اس سے تو وہ غدار اچھا جس نے اگرچہ اپنی قوم کی عزت کا سودا دشمن سے کیا لیکن اپنی زندگی آن بان سے گزاری اور اپنی اولاد کیلئے ڈھیروں سونا چھوڑ گیا۔ محض یہ کہہ دینا کہ نیک کام کرنے والے کا نیک نام باقی رہ جاتا ہے اور اس کے ذکر سے تاریخ کے صفحات مزین ہوتے ہیں اور یہی اس کی جانبازی کا صلہ ہے، یہ کہنا بہت بڑی زیادتی ہے، اللہ تعالیٰ جو عادل اور حکیم ہے، کم از کم اس کی فرمانروائی میں ایسی دھاندلی قطعاً قابلِ برداشت نہیں۔ اس لئے اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو۔ جہاں عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں۔ نیک اور مخلص لوگوں کو ان مخلصانہ جدوجہد کا پورا پورا صلہ دیا جائے اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی پوری سزا ملے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۲۷۰)

اہلسنّت کا عقیدہ

ہم اہل سنت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور اِلٰہ نہیں مانتے۔ اور تو اور ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ہمارا عقیدہ بھی یہ ہے جس کا ہم ہر روز سینکڑوں بار اعلان بھی کرتے ہیں کہ "اشهد ان محمدًا عبده و رسوله" کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے آقا و مولیٰ جن کا نام نام اسم گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کے ساتھ ہماری یہ ساری عقیدت و محبت اور وابستگی ہے ہی اس وجہ سے کہ اس محسنِ انسانیت نے ہمیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی تک پہنچایا۔ ہمیں اس بات پر یقین محکم ہے کہ توحید کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ اگر عقیدۂ توحید میں ذرا خامی ہوگی تو عمر بھر کی ریاضتیں اور پرہیزگاریاں ضائع ہو جائیں گی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد کمالات کا اعتراف شرک نہیں ہے بلکہ عین توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ الوهاب (بخشنے والا) المغنی (غنی کرنے والا) کا صحیح مفہوم سمجھ ہی اس وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ان عنایات، انعامات اور احسانات پر غور کیا جائے جن سے اس نے اپنے محبوب اور برگزیدہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرفراز فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ افراط و تفریط سے محفوظ رکھے اور اس غلط فہمی سے بچائے کہ توحید میں پختگی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک ان سارے کمالات کا انکار نہ کر لیا جائے جو اس وحدہٗ لا شریک نے اپنے مقبول بندوں کو عطا فرمائے ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۲۷۰)

معیارِ دوستی

دوستی اور سنگت ہر شخص سے نہیں ہوجایا کرتی بلکہ طبعی مناسبت کو اس میں بڑا دخل ہے۔ برے لوگ اپنے ہم جنسوں کے پاس بیٹھ کر ہی راحت محسوس کرتے ہیں۔ اگر انہیں مختصر مدت کیلئے ہی نیک لوگوں کی محفل میں بیٹھنا پڑے تو وہ اُکتا جاتے ہیں اور وہاں سے بھاگ نکلنے کی تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اگر نیک فطرت لوگ اپنے ہم مذاق لوگوں کے پاس بیٹھیں گے تو انہیں کوئی اُکتاہٹ محسوس نہیں ہوگی بلکہ وہ بڑی فرحت اور انبساط محسوس کریں گے اور اگر انہیں بد اطوار لوگوں کے پاس لمحہ بھر کیلئے بیٹھنا پڑے تو وہ اُداس ہوجائیں گے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۳۰۷)

کسی کے گھر جانے کیلئے اِذن لینا ضروری ہے

انسان کا گھر اس کا خلوت خانہ ہے جہاں وہ بے تکلفی سے وقت بسر کرسکتا ہے۔ اگر یہاں بھی ہر شخص کو بلا اجازت، بے دھڑک آگھسنے کی آزادی ہو تو انسان گھر میں راحت و آرام نہیں پاسکے گا، جس کی تلاش میں وہ باہر سے تھکا ماندہ آتا ہے۔ نیز گھر کی مستورات ہر وقت اپنے کپڑوں کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتیں۔ کبھی اوڑھنی سر سے اتر جاتی ہے، کبھی کوئی کام کرنے کیلئے آستینیں چڑھانی پڑتی ہیں۔ نہانا دھونا بھی ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر آنے والے پر کوئی پابندی نہ ہو تو عورتیں یا تو ہر وقت سر پر چادر ڈالے رہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھیں رہیں یا نامحرم کے سامنے بے حجاب ہونے کا خطرہ مول لیں۔ نیز یہ ویسے بھی بڑی سخت زیادتی ہے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت گھس آئے۔ اس طرح گوناں گوں خرابیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ نظربازی، کسی کی راز کی باتوں کو سننا وغیرہ قباحتیں رونما ہوجائیں گی۔ گھر کا امن و سکون برباد ہونے کے ساتھ ساتھ عصمت و آبرو بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اس قسم کے آداب کے عادی نہ تھے۔ حُیِّیتم صباحا (صبح بخیر) یا حُیِّیتم مساء (شب بخیر) کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر گھر میں آگھسے۔ اسلام نے اس طریق کار کو سختی سے روک دیا اور حکم دیا کہ اگر کسی کے ہاں جانا پڑے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ باہر کھڑے ہوکر اِذن طلب کرو اور اگر اذن مل جائے تو اہل خانہ کو سلام کہتے ہوئے اندر جاؤ۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۳۰۸۔۳۰۹)

عصرِ حاضر کے سنگین حالات

اگر آپ عصرِ حاضر کے حالات کا جائزہ لیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ انسان کو خدا فراموشی، نوامیسِ فطرت سے سرتابی اور اسلام کے پیش کیے ہوئے نظامِ حیات سے روگردانی کی سزا کس طرح مل رہی ہے۔ نہ خشکی پر کہیں امن ہے، نہ سمندر کی بیکراں وسعتوں میں کوئی گوشۂ عافیت نظر آتا ہے۔ زمین پر جگہ جگہ میزائل کے اڈے قائم ہیں۔ جہاں سے ایک بڑا عظم سے دوسرے بڑا عظم پر ایٹم بم برسا کر ہر چیز کو خاکِ سیاہ بنایا جاسکتا ہے۔ سمندر کی سطح بلکہ سمندروں کو اُبلتے ہوئے جہنم میں تبدیل کرسکتی ہے۔ کُرۂ ہوائی میں بڑی بلندیوں پر امریکہ کا ہوائی بیڑہ جو ہزاروں طیاروں پر مشتمل ہے ہر وقت مصروفِ پرواز رہتا ہے۔ اس میں مہلک قسم کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم فٹ کر دیئے گئے ہیں۔ ایک سگنل سے وہ کہرام رستاخیز برپا کرسکتے ہیں۔ بڑی قوتیں مہلک سے مہلک اسلحہ بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کیلئے ملکی ثروت کو پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔ خانگی زندگی بھی ہماری بد اعمالیوں سے جنم لینے والے فساد سے محفوظ نہیں۔ میاں بیوی کے درمیان اعتماد، جو خانگی زندگی کی مسرتوں کیلئے شرطِ اول ہے تیزی سے مفقود ہوتا چلا جارہا ہے۔ ماں باپ اپنی عیش کوشی کے باعث اولاد کی صحیح تربیت سے قاصر ہیں۔ غیر تربیت یافتہ اولاد بڑی ہوکر اپنے والدین کا ادب ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ انہیں ایک ناقابلِ برداشت بوجھ خیال کرتی ہے۔ بڑوں کے دِلوں میں چھوٹوں کیلئے رحم اور شفقت نہیں رہی۔ چھوٹوں کی آنکھیں شرم وحیا کے نور سے محروم ہوگئی ہیں اور اپنے بڑوں کی پگڑی اُچھالنا فیشن بن گیا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۵۷۸۔۵۷۹)

موجودہ معاشرے کی المناک حالت

آج ہم اپنے معاشرہ میں عریانی اور بے حیائی کا اُمڈ کر آتا ہوا سیلاب دیکھ رہے ہیں جس کی چنگھاڑتی موجوں کی ہیبت سے دین اور اخلاقِ حسنہ کے مضبوط قلعے تھرا رہے ہیں۔ ہماری مخصوص اخلاقی، عمرانی عزیز قدریں ایک ایک کرکے تلف کی جارہی ہیں۔ ہماری زندگی سراسر لہو ولعب بنتی جارہی ہے۔ سنجیدگی اور متانت کا عنصر تیزی سے ناپید ہورہا ہے۔ جاہ طلبی، لذت کوشی اور زر وسیم کی ہوس کی قربان گاہ پر ملی اور قومی مفادات کو بھینٹ چڑھا دینا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں۔ ہمارے اہلِ قلم کی عظیم اکثریت، ہماری فلم انڈسٹری، شبینہ کلبیں، ثقافتی تقریبیں اور مینا بازار قیامت برپا کررہے ہیں۔ یہ سب کچھ کھلے بندوں بے روک ٹوک ہماری اسلامی مملکت کے مسلمان حکام کی آنکھوں کے سامنے ہورہا ہے اور کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ بلکہ ان تباہ کن عوامل کو حکومت کی سرپرستی اور حکام کی حمایت حاصل ہے۔ یہ سوچ کر دل کانپ جاتا ہے کہ کہیں ہم اپنے آپ کو عذابِ مہین کیلئے تو تیار نہیں کررہے۔ (العیاذ باللہ) (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۶۰۲۔۶۰۳)

سلف صالحین کی پیروی عین سعادت ہے

اگر آباؤ اجداد گمراہ ہوں تو آنکھیں بند کیے ہوئے ان کے پیچھے دوڑتے چلے جانا کوئی عقلمندی نہیں لیکن اگر آباؤ اجداد حق پر ہوں بلکہ حق کے علمبردار رہے ہوں اور ان کی زندگی، ان کا عمل اور ان کا وجود ہی اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہو جیسے بفضل اللہ تعالیٰ اہلِ سنت و جماعت کے اسلاف کرام تھے تو ان کی اقتداء اور پیروی عین ہدایت اور سعادت ہے۔ حضرت غوثِ اعظم، حضرت خواجہ اجمیر، حضرت داتا گنج، حضرت غوث العالمین بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی، حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم من الاولیاء الکاملین قدست اسرارہم وہ روشن چراغ ہیں جن کی درخشانیوں اور تابانیوں کے باعث صراطِ مستقیم منور ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۷۴)

شرائطِ ذکرِ الٰہی

دل کے آئینہ سے غفلت کا غبار اور روح کے رُخِ تاباں سے نافرمانی کے داغ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کی صبحیں اور شامیں یادِ الٰہی میں بسر کرے۔ ذکر تب اپنا پورا اثر دکھاتا ہے جب اس میں مذکورہ شرائط موجود ہوں:۔

- ذکر کرتے وقت انسان عاجزی اور انکساری کا مجسمہ بنا ہوا ہو۔ کبر و غرور اور غفلت و کاہلی سے کوسوں دور ہو۔
- اسے اس بات کا ہر وقت شدید احساس ہو کہ اس کے اعمال اور اس کا ذکر اس بارگاہِ رفعت و جلال کے شایانِ شان نہیں۔
- ذکر گلا پھاڑ پھاڑ کر نہ کرے جس میں بے ادبی کا شائبہ ہو بلکہ درمیانہ آواز سے کیا جائے جس میں ادب اور سنجیدگی ہو۔

(ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۱۲۰)

آپ ہی ذرا اپنے طرزِ عمل کو دیکھیں

تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو تعلیماتِ قرآنیہ کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ بلکہ اتباعِ قرآن کو ترکِ اطاعتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلیل بناتے ہیں۔ وہ اپنی روش پر خود ہی نظرِ ثانی کریں کیا وہ قرآن سے اس کے نازل کرنے والے کی منشاء کے خلاف تو استنباط نہیں کر رہے؟ کیا وہ اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ اتباعِ قرآن تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے اور اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم بھی قرآن کا ہی حکم ہے جو ایک بار نہیں سینکڑوں بار دیا گیا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۱۳۸)

مال و اولاد آزمائش ہیں

مال اور اولاد سے بڑھ کر سخت آزمائش اور کون سی ہے۔ محبتِ مال و اولاد انسان کو بزدل بھی بنا دیتی ہے اور بخیل بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک بچہ لایا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا "اما انهم مبخلة مجبنة وانهم من ريحان الله" (البغوی) یہ اولاد انسان کو بخیل بھی بنا دیتی ہے اور بزدل بھی اور یہ اللہ کے پھول ہیں۔ اب جو اس طبعی محبت کے باوجود احکامِ الٰہی کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتا یقیناً وہ کامیاب ترین انسان ہے۔ ایک دوسرے لحاظ سے بھی اولاد بڑی آزمائش ہے۔ بچوں کی صحیح تربیت، ان کو صحیح مسلمان اور کامل انسان بنانا، ان کی لوحِ دل پر اقدارِ عالیہ کے نقوش ثبت کرنا والدین کیلئے ایک کٹھن آزمائش ہے اور یہی اللہ کی اس نعمت کا صحیح شکر ہے۔ جو کم نظر اپنی اولاد کیلئے دولت ہی اکٹھی کرتے رہتے ہیں اور انہیں اسی لکشمی دیوی کی پرستش کا ڈھنگ سکھانا ہی اپنے حقوقِ پدری کی تکمیل جانتے ہیں۔ انہوں نے اس نعمتِ عظمیٰ پر اپنے منعمِ حقیقی کا ہرگز شکر ادا نہیں کیا اور نہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۱۴۳)

قائدینِ اہلسنّت و جماعت کی ذمہ داریاں

اے اہلِ سنت وجماعت کے رہنماؤ! ہماری صفوں کا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا۔ شمع توحید و رسالت کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے؟ اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعتماد کی قوت جو تمہیں میسر ہے وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی؟ دلوں کے اُداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کروگے، اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے، مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کیلئے اسلام کی سربلندی کیلئے سب ایک ہو جاؤ۔ اپنی ذات، اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بننے دو۔ اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو۔ بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو جو آپ کے خواجگانِ طریقت علیہم الرضوان کا اُسوہ تھا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۲۰۵)

اس خوش بختی کے کیا کہنے

اس خوش نصیب کے طالع ارجمند کا کیا کہنا جس کا سفینۂ حیات جب ساحلِ موت پر لنگر انداز ہو تو خداوند ذوالجلال کے فرشتے مرحبا صد مرحبا کہتے ہوئے اس کا استقبال کریں اور رضائے الٰہی کا تاجِ زرنگار اس کے سرِ نیاز پر رکھ دیں۔ مادی لذتوں میں مگن رہنے والوں اور فانی کامیابیوں کو اپنی زندگی کا منتہاء مقصود سمجھنے والوں کو کیا خبر کہ اس کامیابی میں کیا سرور ہے اور یہ کامیابی کتنی بڑی کامیابی ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۳۱۶)

دنیا دار العمل ہے

بظاہر تو یہ بات بڑی خوش آئند معلوم ہوتی ہے کہ زمین کا گوشہ گوشہ نورِ حق سے منور ہے۔ ہر طرف سے اِلا اللہ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہوں۔ محبت و پیار کا زمزمہ بہہ رہا ہو۔ احسان و مروت کی کار فرمائی ہو۔ کوئی بھی حق کا منکر نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی تکوینی مصلحتیں اس کی مقتضی نہیں۔ ذکر و فکر کی محفلیں تو فرشتوں کے دم سے پہلے ہی آباد تھیں۔ آسمان کی وسعتوں میں کوئی چپہ ایسا نہ تھا جہاں ملائکہ اپنی نورانی پیشانیوں سے سجدہ ریز نہ ہوں۔ بایں ہمہ محفلِ کائنات اُداس تھی۔ کسی خلیل نے آتشکدۂ نمرود میں ابھی چھلانگ نہیں لگائی تھی۔ حسن و شباب کی ساری انگیختوں اور اشتعال انگیزیوں اور طبعی تقاضوں کو کسی یوسف نے ابھی پائے حقارت سے ٹھکرایا نہیں تھا۔ ید بیضا نے عصا کلیمی کو جنبش دے کر کسی فرعون کا غرور خاک میں ملایا نہیں تھا۔ ابھی تک اُحد و حنین کے سنگریزے عشاق باوفا کے خون ناب سے رنگین قبا نہیں ہوئے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ بزمِ ہستی ان مناظر کے بغیر ناتمام معلوم ہو رہی تھی۔ یہ کمی تب ہی پوری ہو سکتی تھی کہ افرادِ انسانی کو متنوع صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا جاتا اور ان کو بروئے کار لانے کیلئے انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ ان کی نشو و نما کیلئے ایسا ماحول مہیا کیا جاتا جہاں نیکی اور بدی دونوں پنپ سکیں۔ جہاں حق و باطل دونوں کے زندہ رہنے کی گنجائش ہو۔ اسلئے خالقِ کائنات نے انسان کو پیدا کیا۔ اس میں طرح طرح کی صلاحیتیں رکھیں۔ اسے ہدایت و ضلالت کی راہوں سے آگاہ کر دیا۔ اور پھر اسے عمل کی آزادی مرحمت فرمائی اور انہیں بتا دیا کہ یہ دار العمل ہے جو بوؤ گے وہی کاٹنا پڑے گا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۳۳۱۔۳۳۲)

اطمینانِ قلبی کا راز

انسان اپنی مادی اور سائنسی ترقی کے باوجود آج بے چین اور مضطرب ہے۔ اس کے فکر کے اُفق پر خوفناک اندیشوں اور کربناک تصورات کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ نرم و گداز صوفوں پر بیٹھ کر بھی اسے طمینان نصیب نہیں۔ ٹیلیوژن کی سکرین پر حسنِ عریاں کی عشوہ طرازیاں اور نغموں کی پھوہار بھی اس کی پیاس کو بجھا نہیں سکتی۔ دولت کے انبار بھی اس کو تسکین نہیں دے سکتے۔ اطمینانِ قلب ہی وہ جنسِ نایاب ہے جس کی انسان کو آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے اپنے سادہ، دلنشین اور روح پرور انداز میں یہ بتا کر "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" انسان کو اس متاعِ عزیز کا سراغ بتا دیا۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۴۶۸)

حیاتِ طیبہ کی برکات

حیاتِ طیبہ کے دامن میں عزتِ نفس ہے، بلند نظری ہے، اولوالعزمیاں ہیں، ایثار و خلوص ہے، قناعت ہے اور ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی بازی جیتنے پر ایک بہار آفرین تبسم ہے۔ یہ حیاتِ طیبہ ساری دولتوں سے بڑی دولت ہے۔ ساری عزتوں سے بڑی عزت ہے اور ساری راحتوں سے بڑی راحت ہے۔ اور وہ اسی کو ملتی ہے جس کے دل میں ایمان کا نور ضوفشاں ہوتا ہے۔ جس سے اس کا ظاہر اور اس کا باطن، اس کا قول اور اس کا عمل جگمگا رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ اجر ہے جو ایک بندۂ مومن کو اس دنیا میں بخشا جاتا ہے لیکن یہ زندگی بہر حال فانی ہے۔ اسے ایک دن یقیناً ختم ہونا ہے۔ لیکن ایمان کا درخت اس دنیا سے رختِ سفر باندھنے کے بعد بھی ثمر بار رہتا ہے اور اس کی برکت سے آئندہ زندگی جو ابدی ہے، جو جاوداں ہے وہ بھی راحتوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد ۲، ص ۶۰۱)

پاک معاشرے کی خصوصیات

ایک پاک معاشرہ تب ہی معرضِ وجود میں آسکتا ہے جب اس کے افراد کے ظاہری اعضاء بھی کسی پر زیادتی نہ کریں اور ان کے دل بھی برے خیالات سے پاک ہوں۔ ان کی جلوت اور خلوت دونوں یکساں طور پر پاکیزہ ہوں۔ زمانہ جاہلیت کے عرب چھپ کر زنا کرنے کو حلال سمجھتے تھے۔ آج بھی یورپ کا جاہلی تمدن گناہ کی اس تفریق کا قانونی طور پر معترف ہے۔ اسلام جس معاشرے کی تشکیل کیلئے کوشاں ہے وہاں گناہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جلوت و خلوت یکساں طاہر، ظاہر و باطن دونوں پاک۔ (ضیاء القرآن، جلد ۱، ص ۵۹۶)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سنگین نتائج

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرتابی کر کے انسان امن و عافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ کبھی اوپر سے بجلی کڑک رہی ہے۔ موسلا دھار بارشیں سیلاب کی صورت اختیار کر کے قیامت ڈھا رہی ہیں۔ توپیں آگ اُگل رہی ہیں۔ بلند پرواز طیارے اور راکٹ بم اور ایٹم برسا رہے ہیں۔ کبھی نیچے سے بارودی سرنگیں پھٹ رہی ہیں۔ آبدوز کشتیاں سمندر کی گہرائیوں سے ابھر کر بھاری بھر کم جہازوں کو اڑا رہی ہیں۔ کہیں زلزلے آباد شہروں کو کھنڈرات میں بدل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں انتشار اور بے اتفاقی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند، ایک ملت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہ فساد بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعثِ انتشار۔ اپنوں کی عزت کو اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجئے۔ اپنے گھر کا حال دیکھئے۔ جب سے ہم نے صراطِ مستقیم سے انحراف کیا ہے، ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام)، ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والے کس نفاق اور انتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسٓ ﷺ (ضیاء القرآن، جلد ۱، ص ۵۶۶)

مسلمانوں میں گروہ بندی

ایک خدا، ایک رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ایک کتاب اور ایک کعبہ رکھنے والی قوم نے اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں بانٹ رکھا ہے اور علماء سوء نے ان کے درمیان نفرت و عداوت کی اتنی بلند دیواریں کھڑی کر دی ہیں کہ اب ان کے آپس میں مل بیٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ذاتِ پاک مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے فضائل و کمالات پر جب بحث ہونے لگی اور مناظروں کی ضرورت محسوس ہونے لگی تو اب وہ کون سی چیز ہے جو ہمیں اِکٹھا رکھ سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قوی ہے وہ چاہے تو چشم زدن میں ہماری آنکھوں سے پردے ہٹادے۔ (ضیاء القرآن، جلد ا، ص ۲۶۱)

فرقہ واریت کی تباہ کاریاں

الحاد و دہریت کے طوفان نے ہمارے بنیادی عقائد کے قلعوں میں شگاف ڈال دیئے ہیں۔ اخلاق انحطاط اور اباحیت نے ہمارے معاشرے کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اشتراکیت و شیوعیت کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ان اسلام دشمن تحریکوں کے مُہلک اثرات کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے لیکن ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ بے حسی اور بے بسی نے ہماری تعمیری صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہا اسلامی مراکز کا رُوسی کیمونزم نے کیا حشر کیا۔ عظیم مساجد، اسلامی جامعات اور خانقاہیں ویران کردی گئیں۔ وہاں کی مسجدیں سجدوں کیلئے، فلک بوس مینارے صدائے اذان کیلئے، مدارس قرآن وسنت کیلئے اور خانقاہوں کے درودیوار ذکرِ الٰہی کیلئے ترس رہے ہیں۔ سارے چراغ گُل ہوگئے۔ سارے چشمے خشک ہوگئے۔ اشتراکیت کے گماشتے یہاں بھی اسی المیہ کو دوہرانے کیلئے شب و روز مصروف کار ہیں لیکن ہمیں اپنے گروہی نظریات اور مفادات اتنے عزیز ہیں کہ ہم اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول و نظریات کا چمن اُجڑتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یہی عذاب عظیم ہے۔ کسی قوم کیلئے بے حسی اور بے بسی سے بڑا کوئی عذاب نہیں ہوسکتا۔ کاش ہم نے ذاتِ پاک حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کو توہدفِ تنقید نہ بنایا ہوتا۔ کاش یار لوگوں کی زبانیں بارگاہِ رسالت میں گستاخی سے تو باز رہتیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(ضیاء القرآن، جلد ا، ص ۲۶۱۔۲۶۲)

زندگی کی بازی جیتنے کا طریقہ

موت نے ضرور آنا ہے۔ لیکن اس کے آنے کا وقت ہمیں معلوم نہیں۔ اس لئے ایسی اٹل اور اچانک آجانے والی چیز کیلئے انسان کو ہر لحہ مُستعد رہنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا دامن ہر وقت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور ایک آن کیلئے بھی یہ گرفت ڈھیلی نہ پڑے۔ مبادا وہی آن تمہارے یہاں سے کُوچ کرنے کی ہو۔ اگر غفلت کی حالت میں موت کا پیغام آگیا تو اپنے ربِّ کریم کے حضور کیامنہ لیکر حاضر ہوگے۔ زندگی کی یہ بازی جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر وقت انسان چوکنا رہے۔ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ نافرمانی اور سرکشی تو کجا غفلت کی گرد سے بھی اپنے دل کے آئینہ کو مکدر نہ کرے۔ (ضیاء القرآن، جلد۱، ص۹۶۔۹۷)

ہماری شُورہ بختی

ہم اپنی شُورہ بختی کے علاوہ کس کو ملامت کریں کہ ہماری غالب اکثریت تو ابجد خواں بھی نہیں۔ اور جو علم سے آشنا ہیں وہ علم کو تن پروری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دن کب طلوع ہو گا جب مومن اپنے مقام کو پہچانے گا۔ پھر کب اس آسودۂ خواب راحت کو رُومی کا سوز اور رازی کا پیچ وتاب نصیب ہو گا۔ ہمارے مطالعہ کی میز پر تو تہ در تہ گرد جمی ہوئی ہے اور ہمارے عشرت کدوں میں نور و نکہت کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ ہماری رصد گاہیں اب ان تھک تیز نگاہوں سے محروم ہیں جو ستاروں کی معمولی سی جنبش کا تعاقب کرتی تھیں۔ ہماری تجربہ گاہیں اب ایسے علماء کو ترس گئی ہیں جو دنیا کی لذات سے کنارہ کش ہو کر نشتر تحقیق سے کائنات کی ہر چیز کا دل چیرا کرتے اور اس سے بھی بڑھ کر قابلِ حیرت بلکہ لائقِ نفرین وہ آواز ہے جو بعض حلقوں سے توحید کے نام پر اُٹھائی جارہی ہے کہ نبی کو تشریعی علم دیا جاتا ہے، تکوینی علم سے اسے کیا سروکار۔ اور اس طرح اس ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی بیکراں وسعتوں کو تنگ کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا سارا زور صَرف کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ہمارے حالِ زار پر اور بخشے ہماری کوتاہ اندیشیوں کو۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (ضیاء القرآن، جلد۱، ص۳۸۔۳۹)

دار العلوم محمدیہ غوثیہ ایک ہمہ گیر تحریک ہے

دار العلوم محمدیہ غوثیہ، محض ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر تحریک ہے۔ اس کا مقصدِ اوّلین اس دین حق کی کامل سربلندی اور غلبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول اور برگزیدہ بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بھیجنے والے کی طرف سے بنی نوع انسان کیلئے رشد و ہدایت لے کر آیا اور یہ فریضہ آپ نے انجام دینا ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ آپ ان خامیوں اور کمزوریوں سے اپنے دامن کو پاک کریں۔ اس مہم کو سر کرنے کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ آپ میں ٹھوس علمی قابلیت ہو۔

کتاب و سنت میں بیان کردہ اسرار و معارف تک آپ کی براہِ راست رسائی ہو۔ آپ رسمی عالم بننے کے بجائے ماہر عالم بننے کیلئے اپنے شب و روز وقف کردیں۔ آپ صرف قدیم علوم سے ہی بہرہ ور نہ ہوں بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھنے کیلئے اور ان تقاضوں کے چیلنج کو قبول کرنے کیلئے آپ پر لازم ہے کہ آپ جدید علوم سے بھی واقفیت بہم پہنچائیں۔ اس طرح ان علل و امراض کی آپ صحیح تشخیص کرسکیں گے جن میں آج کا انسانی معاشرہ گرفتار ہے اور درد و الم سے کراہ رہا ہے اور کسی مسیحا نفس کیلئے چشم براہ ہے اور اس تقابلی مطالعہ سے آپ کو اسلام جو دین فطرت ہے، اس کے نظریات و افکار کی بلندی اور اس کے قوانین و احکام کی افادیت اور اہمیت پر آگاہی ہو گی۔ (سحاب کرم، ص ۳۹۔۴۰)

منزل کا تعین ضروری ہے

کوئی قافلہ منزل کے بغیر قافلہ کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ اسی طرح کسی متعین مقصد کے بغیر کوئی قوم اپنے آپ کو قوم نہیں کہلا سکتی۔ اور جب تک قوم کے دل میں اپنے مقصد سے جنون کی حد تک عشق نہ ہو وہ نہ کوئی معرکہ سر کرسکتی ہے اور نامساعد حالات اور مخالف لہروں کا مقابلہ کرکے اپنی کامیابی اور ناموری کے جھنڈے گاڑ سکتی ہے۔ اسی طرح کوئی فرد خواہ وہ علمی اور فکری اعتبار سے کتنا عظیم کیوں نہ ہو، تعین مقصد اور اس کے حصول کیلئے مردانہ وار جدوجہد کے بغیر نہ اپنی خودی کی صحیح نشوونما کرسکتا ہے، نہ عروسِ گیتی کو سنوارنے میں کوئی حصہ لے سکتا ہے اور نہ اپنے خالق کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرسکتا ہے جن سے اس کریم نے اس کو مالا مال کیا ہے۔

ہیچ قوم زیر چرخ لاجورد
بے جنونِ ذوفنون کارے نہ کرد

(سحاب کرم، ص ۹)

اوامر و نواہی کی حکمتیں

قرآن کریم میں جو اوامر و نواہی مذکور ہیں ان میں غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، اس کے ان احکام میں کسی آمر مطلق العنان کی بو تک نہیں۔ جب ہم ان احکامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے آئینہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات العلیم اور الحکیم کے جلوے منعکس نظر آتے ہیں۔ جہاں کوئی امر فرمایا ہے، وہاں ان برکات سعادات کا بھی ذکر کر دیا ہے جو ان اوامر کی بجا آوری سے انسان کو مرحمت کی جاتی ہے۔ اور جہاں کسی کام سے روکا گیا ہے، وہاں ان مفاسد اور مضرات کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو ان منہیات کے ارتکاب پر مرتب ہوتے ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۲، ص ۸۱)

قرآن و سنت میں اوامر و نواہی کا جہاں بھی ذکر آیا ہے وہاں ان کی حکمتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں کبھی صراحۃً کبھی کنایۃً۔ اس سے دو فائدے بیک وقت حاصل ہو رہے ہیں۔ پہلا یہ کہ اوامر و نواہی کے سلسلہ میں انسانی ذہن اور ضمیر کو مطمئن کر دیا جائے کہ ان احکام کے بجالانے میں خود ان کا اپنا فائدہ ہے۔ اس لئے اگر اس سلسلہ میں انہیں کچھ برداشت کرنا پڑے یا ضبطِ جذبات سے کام لینا پڑے تو لوگ اس کو بخوشی گوارا کر لیں۔ اس میں بوجھ اور اکتاہٹ محسوس نہ کریں۔ دوسرا فائدہ جو اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے بہت بڑا فائدہ ہے یہ ہے کہ جہاں بھی یہ مصلحتیں پائی جائیں اگرچہ ان کے بارے میں صراحۃً کوئی نص نہ ہو تو بھی ایسے مفید اور نیک افعال کا ارتکاب اور ایسے مُضر اور برے اعمال سے اجتناب ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات کا یہی وہ پہلو ہے جس کے باعث اسلام کو نوعِ انسانی کا ابدی دین بنا دیا گیا ہے اور اس کی ہدایت کی روشنی میں کاروانِ انسانیت قیامِ قیامت تک اپنی رفیع منزل کی طرف رواں دواں رہے گا۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۲، ص ۸۲۔۸۳)

بے علمی کی نحوستیں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عقل و خرد کی آنکھ اسوقت تک نہیں دیکھ سکتی جب تک علم کی روشنی نہ ہو۔ علم کی شمعیں گل ہو جائیں تو انسانی سوچ کو اوہام و خرافات اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اس کی توانائیاں تعمیر سے زیادہ تخریب کیلئے استعمال ہونے لگتی ہیں۔ اس سے ایسے خسیس و رذیل اعمال صادر ہونے لگتے ہیں، جن سے شیطان کی پیشانی بھی فرطِ ندامت سے عرق آلود ہو جاتی ہے۔ وطنی، نسلی، قومی اور لسانی عصبتیں اسے خونخوار درندہ بنا دیتی ہیں۔ اس کی وہ خوبیاں جن سے اس کے خالق نے اسے سرفراز فرمایا ہے، یوں ہی بیکار پڑی رہتی ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۲، ص ۱۵۳)

صحت مند ذہن اور غیر صحت مند ذہن

صحت مند ذہن ایسے لوگوں کا گرویدہ ہوتا ہے جو پاکباز اور پارسا ہیں، جن کی زندگی ایک اعلیٰ مقصد کیلئے وقف ہوتی ہے، جن کا وجود منبع خیرات وبرکات ہوتا ہے، جن کا دامن انانیت، خودغرضی حرص وغیرہ رذائل سے پاک ہوتا ہے، جو زندگی کے اُفق پر مہرو ماہ بن کر نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی حیاتِ مُستعار کی ہر گھڑی بنی نوع انسان کی خیر خواہی میں گزرتی ہے اور جب وہ یہاں سے رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے بطورِ یادگار ایسے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جو آنے والی نسلوں کیلئے مینارۂ نور کا کام دیتے ہیں۔ لیکن جب ذہن میں فتور، نگاہ میں کجی اور سوچ میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ لوگ اس کی دلچسپی بلکہ عقیدت کا مرکز بن جاتے ہیں جو کبر وغرور کا پیکر ہوتے ہیں جنہیں ہوسِ اقتدار اندھا کر دیتی ہے کہ وہ عدل وانصاف کی قدروں کو پامال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ قوم کی غیرت وحریت کو بھی داؤ پر لگانے سے باز نہیں آتے۔ جور وستم کا ایک طوفان بن کر نمودار ہوتے ہیں اور جہاں سے گزرتے ہیں تباہی وبربادی مچاتے چلے جاتے ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۲، ص ۲۹۵۔۲۹۶)

مطالب اذان

پہلے جملے میں ہی اس روشن حقیقت کا اعلان فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ سیاسی، مذہبی اور علمی معبودانِ باطل میں سے کوئی بھی نہیں جو علم، حکمت اور قدرت میں اس کی ہمسری کا دم بھر سکے۔ اس حقیقت کو چار بار دھرایا تاکہ سننے والوں کی لوحِ دل پر یہ نقش ثبت ہوجائے۔ اس کے بعد وہی اعلان کرنے والا یقین وایمان سے سرشار ہوکر یہ گواہی دیتا ہے کہ اس سب سے بڑے کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

یہ جملہ وہ دوبارہ دُھراتا ہے تاکہ سننے والوں کو اس اعلان کرنے والے کے عقیدہ کے بارے کوئی شک نہ رہے۔ بعد ازاں اعلان کرنے والا ایک دوسری حقیقت کی صداقت کی گواہی دیتا ہے، جس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں کافور ہوجاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے "جس ہستی نے ہمیں یہ راہ دکھلائی ہے۔ جس نے ہمیں یہ سبق یاد کرایا ہے اور جس کا نام نامِ محمّد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔

ان دو حقیقتوں کے دلآویز اعلان کے بعد اب وہ مقصد بیان کیا جارہا ہے جس کیلئے یہ سارا اہتمام کیا گیا ہے۔

"آجاؤ نماز کی طرف۔ آجاؤ نماز کی طرف۔"

یعنی اپنے ربِّ کریم وقدیر کی بارگاہِ عالی میں سجدہ ریز ہونے کیلئے حاضر ہوجاؤ۔ کیوں؟

اس کا جواب اس کے بعد آنے والے دو جملوں میں دیا کہ یہی نماز دونوں جہانوں میں سرفراز ہونے کا ذریعہ ہے۔ اسی حاضری میں تمہاری فلاحِ دارین کا راز مضمر ہے۔ دنیا وآخرت میں اگر سُرخرو اور سرفراز ہونے کی اُمنگ ہے تو سارے کام چھوڑ کر اپنے مولا کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوجاؤ۔

اذان کی ابتداء میں بیان کردہ حقیقت کو ایک بار پھر دُھرایا جارہا ہے "اللہ اکبر، اللہ اکبر" تاکہ یہ سبق ازبر ہوجائے۔

آخر میں دینِ اسلام کے اعلیٰ ترین مقصد کے ذکر کے ساتھ اس اذان کو ختم کردیا "لا الٰہ اِلا اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔

یہ چھوٹے چھوٹے اور پیارے پیارے جملے چودہ صدیوں سے فضا میں گونج رہے ہیں اور سننے والے ہر روز پانچ بار ان کو سنتے ہیں پھر بھی طبیعت ان سے سیر نہیں ہوتی۔ دل چاہتا ہے کہ ہر وقت یہ کلمات دُہرائے جاتے رہیں ہم انہیں سنتے رہیں اور سن سن کر اپنے ایمان کو تقویت پہنچاتے رہیں۔ دنیا کے دوسرے مذاہب کے پیرو بھی اپنی پوجاپاٹ کے اعلان کیلئے مختلف ذرائع اپنائے ہوئے ہیں۔ لیکن دینِ حنیف نے اپنے ماننے والوں کو بارگاہِ ربِّ العزت میں حاضری کی دعوت دینے کیلئے ایک اچھوتا اور دلنشین طریقہ اپنایا ہے۔

اس میں غور کرنے سے اسلام کے نظامِ عبادت کی عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ (ضیاء النبی، جلد ۳، ص ۱۶۵۔۱۶۶)

اسلاف کے کارنامے

ہمارے اسلاف میں کئی ایسی شخصیات پائی جاتی ہیں جن کی تصنیفات اور عمر کا حساب لگایا جائے تو سولہ صفحات یومیہ بنتے ہیں۔ پانچ سال تو بچپنے کے ہوئے۔ بیس پچیس سال حصولِ علم میں گزر جاتے ہیں۔ پھر انسان تندرست بھی نہیں ہوتا۔ دوسرے وظائفِ زندگی کیلئے بھی وقت درکار ہے تو یوں کام کرنے کیلئے چند سال بچ جاتے ہیں تو گویا انہوں نے سینکڑوں صفحات ایک دن میں تصنیف کرنے کا شرف حاصل کیا اور یہ بھی نہیں کہ رطب ویابس اِکٹھا کر دیا ہو۔ ان کی تصانیف اہلِ علم کیلئے مینارۂ نور اور گوہر نایاب ہیں۔ ان کے یہ کارنامے وقت کی قدر کے رہینِ منت ہیں۔ (ضیاء الامت نمبر (ماہنامہ ضیائے حرم)، ص۵۹۸)

طالبِ علم کی ذمہ داری

طالبِ علم کو اپنی ساری ہمت اور طاقت حصولِ علم کیلئے وقف کر دینی چاہیے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانا اور پھر اچھے نتائج کی اُمید رکھنا جہالت ہے۔ لوگ اسے توکل کا نام دیتے ہیں لیکن یہ سوچ جہالت کا نتیجہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ جو کام وہ کرنا چاہتا ہے اس کے اچھے اور برے پہلوؤں کا اچھی طرح جائزہ لے اور سوچ لے کہ یہ دینی اور دنیاوی اعتبار سے کس حد تک مفید ہے۔ اچھی طرح پرکھ لینے کے بعد اگر وہ اسے مفید خیال کرے تو ہر طرف سے توجہ ہٹا کر پوری محنت اور لگن سے اس کو سرانجام دینے میں لگ جائے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ یہی توکل ہے۔ (ضیاء الامت نمبر (ماہنامہ ضیائے حرم)، ص۵۹۹)

صلوٰۃ و سلام کے آداب

با وضو قبلہ رو دوزانو بیٹھنا چاہئے اور یہ تصور کرنا چاہئے کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوں۔ ہدیۂ درود و سلام پیش کر رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے درود و سلام کو سن بھی رہے ہیں اور جواب بھی دے رہے ہیں۔ زبان پر درود و سلام کے الفاظ ہوں اور ذہن کسی اور طرف ہو یہ بات بارگاہِ نبوت کے آداب کے منافی ہیں۔ (ضیاء الامت نمبر (ماہنامہ ضیائے حرم)، ص ۱۰۸)

اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ

جب بندہ اپنے خدا کے ساتھ کیے گئے وعدے پورے کرتا ہے تو اس کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ کانٹے خود بخود پھولوں کا روپ دھار لیا کرتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ حق بندگی انسان پورا کرلے پھر اس کے فضل و کرم کی جو بارش ہوتی ہے، جو پھوار رِم جھم برستی ہے، اس کا کوئی حد و شمار نہیں۔

اس لئے فرمایا: "اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ"

ہمارا کام مشکل ہے۔ ہمیں ہماری کمزوریاں، علم کی کمی، مستقبل سے مایوس کر دیتی ہے۔ لیکن جب وعدہ خدا کے ساتھ ہو تو پھر پریشانی کی ضرورت نہیں۔ اس کے درِ عظمت پر دستک دینا تیرا کام اور کام کو پورا کر دینا اس ربّ کریم کا کام ہے۔ قدم اُٹھانا تیرا کام ہے اور پھر منزل تک پہنچانا اس کا کام ہے۔ (ابرِ کرم، ص ۳۲)

خدا کا محبوب بندہ

وہ بندہ اپنے خدا کو بڑا پیارا اور محبوب ہوتا ہے جو اپنے گناہوں کی خدا سے معافی مانگتا ہے اور اس کے حضور جبینِ نیاز جھکاتا ہے اور صاف ستھرا رہتا ہے۔ توبہ کا مطلب ہے بری بات کو چھوڑ کر اچھی بات کی طرف لوٹنا۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ حیوانی اور شیطانی خصلتوں کو چھوڑ کر انسان کی بہبود اور افراد کی باہمی ہمدردی کو فروغ دیا جائے۔ توبہ کیلئے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے برے اعمال اور افعال پر شرمندگی اور خجالت محسوس کرے، پھر خدا کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرلے۔ یہ نہیں کہ دوکان پر بیٹھے ہوئے جھوٹ بولتے رہے، کم تولتے رہے اور اذان سنتے ہی دوڑ کر مسجد میں چلے گئے۔ نماز پڑھی اور ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھ ڈالی اور یہ سمجھ لیا کہ میں گناہوں سے پاک ہو گیا ہوں۔ اس سے ہم اپنے آپ کو دھوکہ تو دے سکتے ہیں لیکن علیم و خبیر خداوند تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں اگر توبہ کرنے کے بعد دانستہ یا نادانستہ باوجود کوشش کے بھی گناہ ہو جائے تو پھر اپنے خدا کے حضور معافی مانگے اِن شاء اللہ تو اسے بخشنے والا رحیم و کریم پائے گا۔ توبہ کرنے والا بندہ خدا تعالیٰ کو بڑا ہی پسند آتا ہے۔ خدا اس پر خوش ہوتا ہے۔ (ابرِ کرم، ص ۳۷۔۳۸)

جوانی کی قدر

یہ جوانی ڈھل جانے والی چیز ہے۔ آج ہے کل نہیں، پھر بڑھاپا آجائے گا۔ جب جوانی ہو اس وقت اللہ کی عبادت کرلو۔ جبکہ تم کھڑے ہو کر لمبی لمبی رکعتیں پڑھ سکتے ہو۔ جب تم طویل سجدے کرسکتے ہو۔ جب تمہارے کان اور آنکھیں عبادت میں مصروف ہو سکتی ہیں اور اس بڑھاپے کو پیشِ نظر رکھو جب تمہارے ہاتھوں میں رعشہ پڑ جائے گا۔ جب تمہاری ٹانگیں کانپنے لگیں، جب تمہارے کان سننے کی قوت سے عاری ہو جائیں اور جب تمہاری آنکھیں دیکھ نہ سکیں۔ آپ اس وقت کہیں گے کاش! میرے حواسِ خمسہ میرا ساتھ دیتے تو میں رات دن مصروفِ عبادت رہتا۔

اس لئے آج اپنے خداوندِ کریم کے حضور اپنی جبینِ نیاز جھکالو۔ لیکن جب ذوقِ فراواں کی قوت جواب دے جائے گی تو پھر کفِ افسوس ملنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جوانی کے دن اپنے نفس کو خوش کرنے کے دن ہیں۔ عیش و عشرت اور دیوانگی کے دن ہیں اور جب بڑھاپا آجائے گا تو خدا کو راضی کرلیں گے۔ اس کے سامنے جھک جائیں گے اور اپنے خدا کو منالیں گے۔ یہ دُرست ہے خدا تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ وہ بخش سکتا ہے، وہ معاف کرسکتا ہے، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے لیکن یاد رکھو کہ رمضان کا سارا مہینہ برکت والا ہے۔ اس کی ایک ایک رات برکتوں والی ہے لیکن اس میں ایک ایسی رات بھی ہے، جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں، جس کے بارے میں خداوند کریم فرماتا ہے کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ کتنی افضل ہے۔ اس حقیقت تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک ہی رات گرمیوں میں دس گھنٹے کی اور اگر سردیاں ہوں تو چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے لیکن ہزار ماہ سے افضل بہتر، اور کئی گنا بہتر۔

اگرچہ رمضان کا مہینہ اور اس کی ساری راتیں اور ساری گھڑیاں افضل ہیں مگر لیلۃ القدر سب سے افضل ہے۔ مومن کی زندگی بھی ایسی ہی ہے، جیسے رمضان کا مہینہ، اس کا اوّل بھی خیر اور آخر بھی خیر لیکن جس طرح رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر کا مقابلہ نہیں، اسی طرح انسان کی زندگی میں جوانی کی گھڑیوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں۔ (ابرِ کرم، ص ۸۱۔۸۲)

محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام

ایک شمع جل رہی ہو تو اپنے ماحول کو نُور سے منور کر دیتی ہے۔ جنگل میں پھول کھلا ہو تو وہ اپنے گرد و پیش کو معطر کر دیتا ہے اور ریگستانوں میں سایہ دار درخت، سفر کے تھکے ماندے اور درماندہ مسافر کو سکون، آرام اور سایہ بخشتے ہیں۔ اسی طرح محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام سے بھی انسانیت کو نورِ ہدایت نصیب ہوتا ہے اور اس کے سایۂ رحمت کے نیچے دنیا کو سکھ اور آرام نصیب ہو جایا کرتا ہے لیکن اگر ہم اپنے آپ کو غلامانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہلانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کسی کو ہم سے سکھ اور چین نصیب نہیں ہوتا تو ہمیں اپنے دعویٰ غلامی پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ (ابرِ کرم، ص ۹۵)

ہمارا مقام

دوستو! ہم اس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت ہیں جس کے سر پر رحمۃ للعالمین کا تاج سجایا گیا۔ جس کی رحمت و شفقت کا بادل پوری کائنات پر جی بھر کر برسا اور جس سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ مستفیض ہوا۔ اس لئے اس کے پیروکاروں کا فرض ہے کہ وہ انسانیت کیلئے مجسمہٗ امن و سلامتی بن جائیں۔ ذرا تصور تو فرمائیں کہ ایسا مثالی معاشرہ جس میں کسی کے ہاتھ اور کسی کی زبان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، گاؤں میں، پھر شہر میں اور پھر ملک میں قائم ہو جائے تو وہ جگہ اور سرزمین جنتِ ارضی کا نمونہ نہ بن جائے گی؟ اور وہاں کے لوگ آسمان سے اترے ہوئے فرشتے معلوم نہیں ہوں گے؟ اور پھر دنیا اسلام کے سایۂ رحمت میں سکون حاصل نہیں کرے گی؟

یقیناً اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے گا اور یہ دنیا امن و سکون کی جگہ ہو گی جہاں خوشی و مسرت کے نغمے گائے جائیں گے۔ اس لئے فرمایا:۔

”المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“

اگر ہم اس فرمانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہماری مشکلات ختم ہو سکتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (ابرِ کرم، ص ۹۹)

والدین کی ذمہ داری

ایک ہوا کرتی ہے خواہش اور ایک ہوتا ہے اس خواہش کی تکمیل کے تقاضے۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا امام غزالی علیہ الرحمۃ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہو لیکن اس خواہش کی تکمیل کے تقاضے بھی ہیں۔ اس لئے آپ باپ ہونے کے تقاضے پہچانیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بیٹا دودھ پیے مسلمان ماں کا جس میں اس کی سحر خیزیاں شامل ہوں اور بڑا ہو کر ڈاکو بن جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ہو جائے تو اس میں ہماری کوتاہیاں شامل ہوتی ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ جب وہ پیدا ہو تو اس کے کانوں میں ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ کہو تاکہ اس کے تحت الشعور میں یہ چیز رچ بس جائے کہ میں شیطان نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہوں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ ہمارا فرض ہے کہ جب وہ ہوش سنبھالنے کے قابل ہو تو اسے رب کا راستہ دکھائیں۔ کیونکہ اگر ہم اسے رب کے حضور جھکنے کی عادت نہیں ڈالیں گے تو کون یہ فرض ادا کرے گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

کوئی باپ اپنے بیٹے کو اس سے اچھا عطیہ نہیں دے سکتا کہ اسے اچھے طریقہ سے زندگی بسر کرنا سکھادے۔

(ابرِ کرم، ص ۱۰۴۔۱۰۵)

اِنفاق فی سبیل اللہ

ہمیں اللہ تعالیٰ کے راستے پر خرچ کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکیوں کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ یہ نہیں کہ ہم ہزاروں لاکھوں کے حساب سے خرچ کریں بلکہ اگر آپ کے پاس ایک روپیہ ہے تو آپ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے شرم محسوس نہ کریں۔ کیونکہ وہ تو ذاتِ گرامی ہے جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ چھپے ہوئے راز بھی۔ وہ جانتا ہے کہ میرا یہ بندہ کس نیت سے خرچ کر رہا ہے۔ وہاں کثرت و قلت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ خلوص اور حُسنِ نیت کو دیکھا جاتا ہے۔ جتنا نیت میں خلوص ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ لیکن اگر نیت میں نام و نمود ہوگا، کوئی دنیاوی لالچ ہوگا تو لاکھوں کے ڈھیر بھی رائیگاں جائیں گے۔ (ابرِ کرم، ص ۱۲۳۔۱۲۴)

عمل کی مہلت

خدا تعالیٰ نے ہمیں جو مہلت دی ہوئی ہے تو اس کیلئے کب ہوش میں آتے ہیں اور اس کے ساتھ کب محبت پیدا کرتے ہیں۔ زندگی تو ایک مٹی کے پیالے کی مانند ہے کہ کبھی ٹھوکر لگی اور ٹوٹ گیا۔ اور معلوم نہیں کہ کس وقت حکم آجائے اور سانس کا آنا جانا بند ہو جائے لیکن جبکہ ابھی یہ اعلان ہو رہا ہے اور جب تک زندگی کا یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے تو ہم کیوں نہ آج ہی نفس سے اپنی باگ کو کھینچ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیں۔ وہ کام کریں جو اس کی رضا کا باعث ہو۔ یہی موڑ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو حاصل ہوا۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو فریب نہیں دیا۔ (ابرِ کرم، ص ۱۲۳)

حیاتِ جاوداں

قدرت کا اٹل قانون اور قاعدہ ہے کہ زندگی ان کو ہی بخشی جاتی ہے۔ حیاتِ جاوداں ان کو ہی مرحمت فرمائی جاتی ہے جو بڑی خندہ پیشانی سے دعوتِ اجل کو قبول کرتے ہیں۔ جو راہِ حق میں مرجانا ہی اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرتے ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ جب فصل کاشت کرنے کا موسم آتا ہے، گندم بونے کا وقت آتا ہے تو اس کیلئے کیا کیا جاتا ہے۔ کاشت کرنے کیلئے گندم کی ایک مناسب مقدار زمین کی تہہ میں پوشیدہ کردی جاتی ہے۔ اس کے بعد زمین سے کونپلیں نکلتی ہیں۔ پودا بنتا ہے۔ ان پر نئے نئے خوشے لگتے ہیں اور پھر ان میں دانے بنتے ہیں۔ اب غور کریں کہ اگر کوئی کسان گندم بونے کے وقت یہ خیال کرلے کہ یہ دانے جواب میرے پاس موجود ہیں، ان کو میں جان بوجھ کر خاک میں کیوں ملادوں۔ زیرِ زمین کیوں دبا دوں۔ معلوم نہیں فصل ہوگی یا نہیں۔ موسم کے حالات مساعدت کریں یا نہ کریں۔ تو جب دوسرے لوگ سینکڑوں من غلہ گھر لائیں گے تو کیا اس فلسفی کو بھی کوئی چیز ملے گی جو اس وقت عقلمند بنا تھا اور اس وقت اپنے منطقی استدلال سے چند من اناج بچا لیا تھا۔ ہرگز نہیں۔ تو وہ لوگ جنہوں نے گندم کی کچھ مناسب مقدار تہہ میں پوشیدہ کردی تھی۔ ان کے انجام کو بھی دیکھیں اور اس عارضی بچت کرنے والے فلسفی کے انجام کو بھی نگاہ میں رکھیں کہ کون گھاٹے میں رہا اور کون نفع میں۔ دائمی نقصان کس نے کیا اور منافع کا سودا کس نے۔ (ابرِ کرم، ص ۱۳۵)

قربِ خداوندی کیلئے وسیلہ اختیار کرنے اور جہاد کا حکم

اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے تقویٰ اختیار کرنے، وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروفِ جہاد رہنا بھی ضروری ہے۔ جہادِ اصغر بھی اور جہادِ اکبر بھی۔ کفار سے بھی اور نفسِ امارہ سے بھی اور ان تمام نظریات اور افکار سے بھی جو کسی حیثیت سے اسلامی عقائد اور مسلمات سے ٹکراتے ہیں۔ تب جا کر فلاح و کامرانی نصیب ہو گی۔

چوی گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا اِلٰہ را

(ضیاء القرآن، جلد ا، ص۳۶۶)

نماز سے ابرِ کرم برستا ہے

اگر ہم اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ نماز سے رحمتوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ ابرِ کرم آ کر برستا ہے۔ مصیبتوں کے سیلاب کے سامنے بند بندھ جاتا ہے تو یقیناً ہم ایسا نہ کرتے جو کرتے ہیں۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے آدمی کو دیتا ہے نجات

(ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۱۴۷)

ایک ایمان افروز حدیثِ مبارکہ کی تشریح

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

رحم اللہ من عمل عملا فاتقنہ

خداوند عالم اس پر رحم کرے جو جس کام کو کرے بڑی عمدگی سے کرے۔

پختگی، پائیداری اور نفاست کون سی چیز ہے جس کا ذکر اس مختصر جملہ میں نہ آگیا ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں سے اسی چیز کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اسی کی تلقین فرماتے۔ فنی، صنعتی اور دیگر میدانوں میں کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اس حدیث کو لکھ کر اپنے سامنے آویزاں کریں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی کیا خوب فرمایا ہے ؎

نقش ہیں سب نا تمام خونِ جگر کے بغیر

(ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۴۷۰)

دُخترانِ اسلام کیلئے لمحہ فکریہ

دُخترانِ اسلام ذرا خود ہی انصاف کریں کہ جو باریک دوپٹے وہ اوڑھتی ہیں اور جس طرح انہیں سر اور جس طرح انہیں سر کے بجائے اپنے کندھوں پر ڈال لیتی ہیں اور سینہ تان کر سربازار چلتی ہیں، ان کا یہ طریق کار اسلام کی تعلیمات کے کتنا منافی ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کتنے درد بھرے انداز میں دخترانِ ملت کو عریانی اور بے پردگی سے باز آنے کی تلقین کی ہے ؎

بہل اے دُخترک ایں دلبری ہا
مسلماں رانہ زیبد کافری ہا
منہ دل برجمال غازہ پرورد
بیا موزاز نگاہ غارتگری ہا

پھر فرماتے ہیں ؎

اگر پندے زدرویشے پذیری
ہزار اُمت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

یعنی تو ایک درویش کی نصیحت کو قبول کرلے تو ہزاروں اُمتیں فنا ہوسکتی ہیں لیکن تو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ حضرت فاطمہ زہرا بتولِ جنت کا شیوہ اختیار کر اور زمانہ کی نگاہوں سے چھپ جاتا کہ تیری گود میں شبیر جیسا فرزند پرورش پاسکے۔

(ضیاء القرآن، جلد ۳، ص ۳۱۷)

اصلاح کسے کہتے ہیں ؟

اصلاح کسے کہتے ہیں؟ ایک مفلوک الحال انسان کی خالی جھولی کو اگر آپ لعل و گوہر سے بھر دیتے ہیں تو آپ نے اس کی مفلوک الحالی کا تو ازالہ کر دیا لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ آپ نے اس کی اصلاح بھی کر دی۔ ہو سکتا ہے وہ شخص جو غربت کی حالت میں بے ضرر مرنجاں مرنج قسم کا تھا، اب وہ دولت کے نشہ سے مخمور ہو کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے لگے۔ ایک شخص جس کے پاس سر چھپانے کیلئے جھونپڑا تک نہیں، فٹ پاتھ پر پڑا موسم کی چیرہ دستیوں کا ہدف بنا رہا ہو، اگر آپ اس کی باعزت رہائش کا اہتمام فرما دیتے ہیں اور باد و باراں کی بے رحمیوں سے اس کو نجات مل جاتی ہے تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ نے اس کی اصلاح بھی کر دی ہے، ہو سکتا ہے وہاں بزم عیش و طرب آراستہ کرے اور فسق و فجور کے اندھیروں میں اپنے ساتھیوں سمیت غرق ہو جائے۔

اصلاح کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ انسان کے پہلو میں دھڑکنے والا دل سنور جائے۔ جس شخص کا دل سنور جاتا ہے۔ غربت اور فاقہ کشی اس کے شرفِ انسانیت کو داغدار نہیں کر سکتی اور دولت کی فراوانی اسے مغرور و متکبر نہیں بنا سکتی۔ اگر وہ بوریا نشین درویش ہے تب بھی کوئی سلطانِ وقت اس کی عزتِ نفس کو خرید نہیں سکتا۔ اور اگر وہ سریر آرائے سلطنت ہے تب بھی اس سے کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد نہیں ہو سکتی جس کے باعث جبینِ حیاء پر شکن پڑے یا عدل و احسان کی نازک اقدار کو ٹھیس پہنچے۔ ایسے شخص کا علم جہالت کی تاریکیوں سے برسرپیکار رہتا ہے۔ اس کی دولت مایوسیوں اور محرومیوں کے گھپ اندھیروں میں خوشی و شادمانی کا چراغ روشن کرنے میں صرف ہوتی ہے، اس کا جاہ و جلال ضعیفوں کی پناہ اور زیر دستوں کی دستگیری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اصلاح یافتہ انسان کو آپ کسی قسم کے حالات سے دوچار کر دیں، اختیار و اقتدار کے اعلیٰ ترین منصب پر اسے فائز کر دیں وہ سراپا خیر ہو گا، وہ پیکرِ نور ہو گا، اس کے ظلِّ عاطفت میں جو آئے گا، اسے سکون و قرار نصیب ہو گا۔ وہ جدھر سے گزرے گا، فرحت و انبساط کے خزانے لٹاتا جائے گا۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ا، ص ۹۲)

قول و فعل میں مطابقت ضروری ہے

صرف باتیں خواہ وہ کتنی سچی ہوں، ان کی فصاحت و بلاغت کا معیار خواہ کتنا ہی بلند ہو، باتیں کرنے والے کا لہجہ کتنا سلجھا ہوا ہو، یہ باتیں کانوں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہیں، دل کے کان ایسی باتوں کو سننا اور قبول کرنا گوارا نہیں کرتے، جب تک قائل کے قول کی تصدیق اس کا عمل نہ کرے، عمل میں جتنا حسن و جمال ہو گا، جتنا سوز و گداز ہو گا اور جتنی للّٰہیت ہو گی کشورِ دل میں اس کی فتوحات کا دائرہ اسی قدر وسیع ہو گا۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ا، ص ۹۳)

خلق کسے کہتے ہیں ؟

وہ اعمال جو کسی سے اتفاقاً صادر ہوتے ہیں یا کسی وقتی جذبہ اور عارضی جوش سے ان کا ظہور ہوتا ہے وہ خواہ کتنے ہی اعلیٰ اور عمدہ ہوں انہیں خلق نہیں کہا جائے گا۔

خلق کا اطلاق انہیں خصائل وعادات پر ہو گا جو پختہ ہوں، جن کی جڑیں قلب وروح میں بہت گہری ہوں، انہیں غیر متزلزل اور پختہ صفات پر کامیاب زندگی کا محل تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ انہی پر اعتماد کرتے ہوئے قومی ترقی اور اصلاح کے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور ان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ کسی ترنگ میں آکر اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی امداد کیلئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دے تو ہم اسے سخی نہیں کہیں گے۔ جو شخص کسی وقتی جوش کے تحت اپنے دشمن پر حملہ کرکے اسے مار گرائے، اسے ہم شجاع نہیں کہیں گے، اس سے یہ توقع عبث ہے کہ جب بھی اسے میدانِ جہاد میں سربکف آنے کی دعوت دی جائے گی تو وہ اسے قبول کرے گا۔ اس لئے نیک اور عمدہ افعال کو پیدا کرنا پھر ان کو اس طرح پختہ اور استوار کرنا کہ ان سے مطلوبہ اعمال کا ظہور اس طرح بے تکلفی سے ہو جس طرح چشمہ سے پانی اُبلتا ہے۔ آنکھ اپنے گردوپیش کو دیکھتی ہے یا کان آواز سنتے ہیں۔ یہ کیفیت افراد واقوام کی صحت اور ترقی کیلئے جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر مشکل اور کٹھن ہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۱۰۷۔۱۰۸)

اخلاقِ حسنہ کے اہم ترین پہلو

خلق صرف رحمت و رافت، عفو و درگزر اور تواضع و انکساری کا نام نہیں۔ اخلاق کا یہ نہایت محدود تصور ہے، انتہائی اشتعال انگیز ماحول میں جذبات کو قابو میں رکھنا، ناگفتہ بہ حالات میں ثبات واستقامت کا مظاہرہ کرنا، باطل کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سربلند کرکے سینہ سپر ہونا، اپنے مقصدِ حیات سے لازوال وابستگی اور وفا کیشی، میدانِ جنگ میں ناموافق حالات میں جرأت وبسالت کا اظہار کرنا اخلاقِ حسنہ کے اہم ترین پہلو ہیں۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۱۳۸)

عدل و انصاف کی اہمیت

عدل و انصاف زندگی کی بوقلموں رعنائیوں اور دلآویزیوں کی جان ہے۔ اگر عدل و انصاف کے سوتے خشک ہو جائیں تو سارا گلشن ہستی اجڑ کر رہ جائے۔ یہ ایک عالمگیر صداقت ہے جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور جسے ہر کوئی تسلیم کرتا ہے حتیٰ کہ وہ ظالم اور سفاک جن کی بربریت اور ستم رانیوں نے شرفِ انسانیت کی دھجیاں اڑادیں، وہ بھی یہ نہیں کہہ سکے کہ عدل وانصاف سے ظلم وعدوان بہتر ہے بلکہ جہاں تک ان سے بن پڑا وہ اپنی چیرہ دستیوں کو عدل وانصاف کا لباس پہنا کر پیش کرتے رہے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۲۱۶)

ہماری ذمہ داریاں

قرآن کریم کی اعجاز آفرینی آج بھی اپنے شباب پر ہے اسلام کی برکتوں اور سعادتوں کا چشمۂ شیریں آج بھی اُبل رہا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ردائے رحمۃ للعالمینی اتنی وسیع ہے کہ ستم رسیدہ، افلاس گزیدہ انسانیت کو اس کے ظلِ عاطفت میں پناہ مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم منافقت کو ترک کردیں۔ شک وارتیاب کی دلدل سے اپنے آپ کو نکال لیں۔ ایمانِ صادق اور یقین محکم سے ان تعلیمات کو اپنا لیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے ہمارے لئے بلکہ ساری دنیائے انسانیت کیلئے نازل فرمائی ہیں۔ جس مبارک ہستی کا ہم یوم میلاد منارہے ہیں اس کے ساتھ محبت اور عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لائے ہوئے دین پر خود عمل پیرا ہوں اور دوسروں کیلئے راہِ حق پر گامزن ہونے کا دلکش نمونہ پیش کریں۔ اس محسنِ انسانیت کو یہ دین اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اس کے احکام کی تبلیغ کیلئے کون سا ستم ہے، جو محبوب ربُّ العالمین نے برداشت نہیں کیا، کون سی مصیبت ہے جسے گوارا نہیں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس پاؤں میں کانٹے چبھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کیلئے کفار نے انگنت منصوبے بنائے۔ اپنے وطن سے نکالا۔ بارہا مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی۔ ان جنگوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے صحابہ اور عزیز رشتہ دار شہید ہوئے۔ ان تمام مصائب و آلام کو اس رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بخوشی گوارا کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا نام اونچا ہو اور اس کا دین پھیلے تاکہ انسانیت کی نکبت اور زبوں حالی کا دور ختم ہو اور صبح سعادت طلوع ہو۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کے رشتہ پر ناز کرتے ہیں تو ہمارا یہ اوّلین فرض ہے کہ ہم سب راعی اور رعایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یوم میلاد کو اس عزم کے ساتھ منائیں کہ ہم دینِ حق کی جو شمع اس سہانی گھڑی فروزاں کی گئی تھی، اس سے اپنی تاریک دنیا کو بھی منور کریں گے۔ آج کی مادیت گزیدہ انسانیت کو اسلام کے تریاق کی اشد ضرورت ہے لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک پاکستان اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر اخلاقی بلندی، روحانی بالیدگی اور معاشی خوشحالی کا مرقع زیبانہ بن جائے۔ (مقالاتِ ضیاء الامت، جلد ۱، ص ۲۷۳۔۲۷۴)